

لا تفسدوا فی الارض

تصنیف

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقویؒ

ناشر

نور ہدایت فاؤنڈیشن

حسینیہ حضرت غفران مآبؒ، مولانا کلب حسین روڈ، چوک،
لکھنؤ-۲۲۶۰۰۳ (یو۔ پی۔)۔ انڈیا

Noor-e-Hidayat Foundation

Imambara Ghufuranmaab, Maulana Kalbe Husain Road,

Chowk, Lucknow-3 INDIA

Website: www.noorehidayatfoundation.org

www.naqeeblucknow.com

E-mail: noorehidayat@gmail.com, noorehidayat@yahoo.com

Ph:0522-2252230 Mob :08736009814,09335996808

الانصاف فی الاماکن

از افادات

جناب العلامہ مولانا سیدی نعیمی صاحب مجلہ معجم

مذللہ العالی

مطبوعہ فرار قومی پریس کورسٹریٹ لکھنؤ

| | | |
|-----|--|----|
| ۱۳۲ | حاکم بصرہ کو امیر المومنین کی تنبیہ | ۵۵ |
| ۱۳۳ | نظام جمہوریت اور اجتماعی فسادات | ۵۶ |
| ۱۵۲ | تہذیب تمدن کے نام پر فساد کی کارفرمائی | ۵۷ |
| ۱۵۶ | دنیا کی ترقی یا تنزل کی رفتار | ۵۸ |
| ۱۶۱ | طبائع انسانی میں فساد کے تقاضے | ۵۹ |
| ۱۶۴ | صلاح اور فساد کی ذمہ دار طاقتوں کی تشریح | ۶۰ |
| ۱۶۵ | علمائے مذہب کی مصلحانہ حیثیت | ۶۱ |
| ۱۶۶ | تقلید کی ضرورت | ۶۲ |
| ۱۶۸ | نام نہاد علماء کی مفسدانہ مضرت | ۶۳ |
| ۱۷۷ | بچے اور چھوٹے میں امتیاز یا تقلید کے شرائط | ۶۴ |
| ۱۷۸ | تقلید کو مان کی خدمت | ۶۵ |
| ۱۸۱ | علمائے حقیقی کے مصلحانہ خدمات | ۶۶ |
| ۱۸۲ | جناب سلطان العلماء کا تاریخی مراسلہ | ۶۷ |
| ۱۸۴ | سرکار میرزا کے شیرازی کا اصلاحی کارنامہ | ۶۸ |
| ۱۸۵ | حالات حاضرہ یا دنیا کے موجودہ فسادات | ۶۹ |
| ۱۸۶ | لامذہبیت کا سیلاب | ۷۰ |
| ۱۸۷ | مذہب کے ذریعہ فساد قرار دیے جانے کا دفعیہ | ۷۱ |
| ۱۸۹ | تحقیق مذہب کی ضرورت | ۷۲ |
| ۱۹۰ | اسلام میں امن و امان اور مساوات | ۷۳ |
| ۱۹۱ | باہمی اختلافات کا فساد | ۷۴ |
| ۱۹۳ | مسلمانوں کا افسوسناک افتراق اور اسکے ہوناک اثرات | ۷۵ |

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين والصلوة على سيد الانبياء والمرسلين
ابن لقاسم محمد خاتم النبيين والصلوة الطيبين الطاهرين
المعصومين من يومنا هذا الى يوم الدين -

تمہید بیان

لاحقہ فساد فی الارض، یہ میرا سزائے بیان ہر جواب کی نگاہوں کے
سامنے آچکا ہے اسلئے ہمارے جو بطور دعوت نامہ شائع کیا گیا تھا -

آپ نے ملاحظہ کیا ہو گا کہ میرا موضوع کلام ان دس دنوں میں فساد فی الارض
اس کے انواع و اقسام، ان کے علل اسباب و اس سلسلہ میں مذہب اسلام کے
تعلیمات پر مشتمل ہے -

غیر خوش آئند موضوع، ناخوشگوار الفاظ اور ناگوار مفہوم کا حامل اس تک
کہ اگرچہ دنیا اس راستے کی سالک ہے جسے الفاظ ذہن میں لائے ہیں لیکن کوئی انسان
اپنی طرف اس مفہوم کی نسبت دینے کو راضی نہیں کر سکتا -

گو یا مقام الفاظ میں فساد فی الارض کا وجود ہی نہیں ہے حالانکہ مقام عمل میں
دنیا اس سے لبریز ہے -

امامیہ کھنڈ کی کاؤ نوں دینی مہمت

چار سال سے مدرسہ الاعظمین میں حضرت سید العلماء ادا م طلبہ کے جو معرکہ آراء و معظمت ہوتے ہیں جن میں ہر مذہب و ملت کے ہزار ہا افراد و اہل شغف کیساتھ شریک ہوتے ہیں انہیں برابر امامیہ کی جانب سے شارٹ ہینڈ کے ذریعہ قلمبند کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔

صرف گذشتہ سال کے بیانات بعض ناگزیر اسباب کی بنا پر شائع نہیں ہو سکے جس کا یہاں انتہائی افسوس ہے۔

اس سال کے بیانات جو لغایت صفر ۱۳۵۶ء و دس روز تک مسلسل مدرسہ الاعظمین میں ہوئے جس موضوع سے متعلق ہیں اس کا تقاضا تھا کہ انہیں جلد از جلد قوم کے سامنے پیش کر دیا جائے تاہم خوشی ہے کہ ہم اس مقصد میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ ہر سال شارٹ ہینڈ سے قلمبند کرنے کی خدمت میں خود انجام دیتا تھا لیکن اس سال مجھے انتہائی مسرت ہے کہ اس خدمت کو بحسن و خوبی میرے عزیز ہونا شاگرد محمد طاہر صفائی نے انجام دیا ہے جسے میں اپنی رضیت کا شرف دیتا ہوں۔ خدا دے کہ جو ان قوم کو اس طرح کے خدمات انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے دالہ السلام

خادم مذہب
سید محمد رضا نقوی سکریٹری امامیہ کھنڈ

اس بزرگ صفت کے حامل میں جس کی نسبت کو ہم آپس طرف ہرگز گوارا نہیں کر سکتے
اس طرح ایک چمکا ہے جو طبیعت انسانی کو بار بار پہنچے گا اور ایک ٹھیک
جو خاطر صحا کے نازک آئینوں کو برابر لگے گی۔

بہر حال میرا موضوع بھی ہر اور مجھے اس کے متعلق بیان کرنا ہی اور چونکہ ہمیں
کوئی شخصی بحث نہیں ہے بلکہ کلیات ہیں اور ایسے کلیے جو تمام دنیا کو شامل ہیں اور
کہہ ارض کے کسی قطعہ سے مخصوص نہیں ہیں کیونکہ تمام عالم کے اجزاء اپنے ضروریات کے
اعتبار سے اپنے مختلف حالات کے اعتبار سے اور ان اسباب کے لحاظ سے جو ان کی ترقی
کے لئے ضروری ہیں یا ان کی تنزلی کا باعث ہیں ایک حد تک شراکت کرتے ہیں۔ یہ
اور بات ہے کہ کسی خاص قطعہ ارض میں کم اور کہیں زیادہ لیکن بہر حال بحیثیت مجموعی
اجزائے عالم اپنے میں فساد رکھتے ہیں۔ ابل س کا کسی کو برانہ ماننا چاہیے۔

اس وقت تمام عالم ان مصیبتوں میں مبتلا ہے۔ کوئی خاص چاعت، کوئی
خاص طبقہ، کوئی خاص محل اس کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ عالم کا ہر شخص اس کا
حالیہ کسی طرح یہ مصیبتیں دفع ہوں کسی طرح امن و سکون، راحت و اطمینان
کی زندگی نصیب ہو۔

اس وقت میں اگر کوئی شخص یہ احساس پیدا کرنے کی کوشش کرے کہ اس
کیا نہیں اور ان کے دغیبہ کی کیا صورت ہے؟ کیا تدا بیر ہیں جن سے امن و اطمینان
اور وہ زندگی کا درجہ جو چاہیے جینی کی حالت میں گدہ پادہ رحمت و سکون کی صورت

کوئی انسان ایسا نہ ہوگا جو اقرار کرے کہ میں فساد فی الارض کا مرتد ہوں
گویا الفاظ ایسے ہیں کہ ناگہانی انکی فطرت میں اٹل ہوا در طبع انسانی پر گراں گزرتا
ان کا لازمی خاصہ ہے۔

اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان اصل فطرت کے لحاظ سے صلح پسند واقع ہوتا ہے
لیہ سب باخاری اور دوسرے حالات ہوتے ہیں جو فطرت صحیح پر پردہ ڈال دیتے ہیں اور
انسان کے ذاتی جو ہر شرافت کو مدغم کر کے اس کو فساد کے راستے پر گامزن کرتے ہیں۔
اسی لئے باوجود اسکے کہ وہ اس راستے کے سالک ہیں لیکن پہر بھی انہیں اس کے
نام سے محبت نہیں پیدا ہوتی حالانکہ دنیا میں جو کسی مسلک کا راہرو ہو وہ اس مسلک
کی حمایت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ ٹھیک ہی ہے۔ اسی وجہ سے اختلاف آرا پیدا
ہوتا ہے جس چیز کو آپ بد سے بدتر سمجھتے ہیں دوسرا اس کو بہتر سے بہتر سمجھتا ہے
آپ سرمایہ تنگ قرار دیتے ہیں وہ اس کو سرمایہ افتخار سمجھتا ہے۔

لیکن فساد فی الارض، یہ چیز ہی ایسی کہ لاکھ انسان اس راستے پر
گامزن ہو لیکن وہ خود اس سے نفرت ہی کرتا ہے۔

پھر ایسی چیز کے متعلق حاضرین کے سامنے روزانہ تفصیل ہوتی ہے، اس
ضرورت طبیعت کو گریز ہونا چاہیے خصوصاً جبکہ اسے عنوان کلام قرار دینا بتلا رہا ہے کہ
دنیا کو اس سب کے یاد دلانے کی ضرورت ہے۔

اس کا نتیجہ ہونا چاہیے کہ طبیعت انسانی پر بار پڑے اور یہ احساس ہو گیا کہ ہم

اور کچھ ظاہری طور پر مختلف اعضا و جوارح سے مرکب ہے۔ جب تک اجزاء مجتمع ہیں اس
مجموعہ کا وجود ہے اور اگر یہ اجزاء مجتمع نہ رہیں تو یہ مجموعہ بھی فنا ہو جائے۔ اسی طرح
عالم انسانیت کا مجموعہ بھی افراد و قوم کے اجتماع پر مبنی ہے اور اگر پیشی راہ اجتماع
پر ہم ہر دم کے تو عالم انسانیت کا وجود نہ ہوتا۔

لیکن یاد رہے کہ مرکبات کے وجود کے لئے صرف اجزاء کا کسی نہ کسی صورت پر
ہم اور یکجا ہونا کافی نہیں ہے بلکہ یہ ضروری ہے کہ ان کا اجتماع تناسب کے تحت ہو
یعنی ہر جزو دوست کے جزو کے لحاظ سے، اس کی مراعات کیساتھ، اس کا خیال کر کے
داخل ہوا ہو۔ اور اگر اجزاء یکجا ہو گئے ہیں مگر آپس میں مناسبتوں کا لحاظ نہیں،
بہم مراعات نہیں تو وہ تمام اجزاء یکساں ضرور ہیں مگر ان سے ایک نئی واحد جسے
مرکب کہہ سکیں طیارہ ہو سکے گی۔

جیسے اینٹوں کا ڈھیر جسے ایک مزدور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل
کر رہا ہے اور لیجا کر ڈال دیتا ہے۔ اسے کوئی خیال نہیں ہوتا کہ ان اینٹوں میں کوئی
ترتیب ہو۔ کوئی تناسب ہو اسے تو انھیں ڈھیر کی صورت میں لگا دینے سے مطلب ہے
اینٹیں باہم دیگر باہم باس ضرور ہیں مگر چونکہ ان کا اجتماع کسی تناسب پر مبنی
نہیں ہے اس لئے ان کے اجتماع سے کوئی دھانی حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی۔

لیکن اگر انہی اینٹوں کو آپ کسی مہار کو دیجئے۔ وہ بھی ان اینٹوں کو مختلف
صورت سے پہلو پہلو رکھے گی گا مگر اس میں ترتیب ملحوظ ہوگی۔ ایک اینٹ دوسری

میں تبدیلی ہو کر یقیناً یہ تمام باتیں سننے کے قابل ہیں۔
یاد رکھنا چاہیے کہ تلخ دوا نتیجہٴ خوشگوار ہوتی ہے اس لئے کہ مرض ایسی ناگوار
چیز اسی کے ذریعہ سے دفع ہوتی ہے۔

میرے بیانات اگر کسی کے لئے تلخ، بد مزہ، غیر دلچسپ اور غیر دلکاذ مزہ بن جائیں اور یقیناً
ہونگے اس لئے کہ اس ادبی پردہ لچسپی کا وجود نہیں ہے۔ یہ خازنِ ہر جس میں خوشگوار
مناظر تفریح نصیب ہیں ہو سکتے۔ تو اس سے بدل نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے بیان کیلئے
ہمیشہ میں مجمع کو یہ کہہ کر سننے کی دعوت دیتا ہوں کہ وہ دلچسپی کی توقع نہ رکھے۔ یہ آپ کو
دھوکا نہیں دینا چاہتا کہ الفاظ کا سبز باغ دکھلا کر یہ توقع قائم کروں کہ میرا بیان دلچسپ ہو گا
بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بیان کرتا ہوں کہ مجھے ایک غیر دلچسپ چیز بیان کرنا ہے اور سننے والوں کو
یہ سمجھ کر سننے کی عورت یا ہوں کہ حقیقتہً وہ ایک غیر دلچسپ چیز سنینگے جہاں تک سننے کے مفاد کا تعلق
ہو گا اگر کوئی جو کچھ میں کہتا ہوں اسے سنے اور سمجھ کر تو میری محنت ٹھکانے لگے گی اگر کوئی نہیں سنے
تو کتنا میرا فرض ہے۔ کس بشنو یا نشنو میں گفتگو کیے مکینم۔

فساد فی الارض کا انفرادی و کلمی مفہوم

لا تفسد الارض (ارض) اس میں سب سے پہلے ضرورت اس امر کے بیان کرنے
کی ہے کہ فساد کیا چیز ہے۔ پھر یہ کہ جب اس فساد کی نسبت روئے زمین کی طرف دیکھا جائے
تو اس کے مفہوم میں کیا تبدیلی پیدا ہوتی ہے،
اس کے لئے یہ سمجھنا چاہیے کہ جس طرح ہیکل انسانی مختلف عناصر مختلف نظام

لیکن وہ مفرد دواؤں بجائے خود موت کی رکھی ہوئی ہوں اور زمانہ دراز کی موت
 و برودت کے اثر کو برداشت کئے ہوئے اپنے خصوصیات ذاتی کھوئے ہوئے اپنے
 آثار و خواص کو خیر باد کہے ہوئے۔ ان اجزاء کو ملا کر اپنے ترکیب یا مگر
 چونکہ مفردات ناقص تھے اس لئے ان کا مجموعہ جو ہوگا وہ بھی ناقص ہوگا یہاں
 فساد جو پیدا ہوا ہے وہ مفردات کی خرابی سے۔ اس خرابی کے درجے مختلف
 ہوتے رہتے ہیں فرض کیجئے جتنی دواؤں تھیں سب ہی ناقص تھیں تو ان کا
 مجموعہ بالکل ہی ناقص ہوگا اور ممکن ہو کہ بعض دواؤں کا مل ہوں اور بعض ناقص
 تو ان کا مجموعہ ایک متوسط درجہ پر ہوگا جو کسی حد تک ناقص ضرور ہو مگر اتنا نہیں
 جتنا پہلی قسم کا ناقص مرکب۔

اب اگر فرض کیا جائے کہ سب جزو کا مل در ایک جزو ناقص تو ممکن ہو
 یہ مجموعہ اپنے مفاد و مقصد کو پورا کرے مگر بہر حال کسی درجہ تک اس میں نقص ضرور
 موجود ہوگا یعنی اس مجموعہ کی نسبت جس میں وہ ایک جزو بھی ناقص نہوتا بلکہ
 حسب بزرگ کا مل ہی ہوتے۔

مولوم ہو کہ اس طرح کا نقص مجموعہ میں مفردات کی بنا پر پیدا ہونا ضروری
 ہو جس کے برخلاف یہ صورت ہے کہ مفردات بجائے خود اپنے حدود میں ٹھیک ہیں
 اور ہر ایک اپنے خاص دائرہ کار کا حامل ہو مگر ترکیب میں خرابی ہو ہی ہو
 خرابی کی بھی دو صورتیں ہیں ایک مقدار کے لحاظ سے یعنی ہر عنصر کو جتنا ہونا

ایزٹکے لحاظ سے رکھی جائیگی۔ اگر کوئی بڑی اینٹ ہو اور اسکے دوسری اینٹ کے پاس
 رکھ دینے سے وہ استقامت، وہ درستی کہ جو ہونا چاہیے موجود نہ رہے گی تو وہ عمارت
 اس اینٹ کو وہاں سے ہٹا دیگا۔ وہ اینٹ رکھ دیگا جو اس جگہ کے مناسب ہو۔
 یہ رد بدل کس لئے ہے پھر تناسب کے لحاظ سے جب اس خصوصیت کو ملحوظ رکھ کر
 وہ اینٹیں یکجا ہو گئیں تو ان کے اجتماع سے ایک واحد مرکب عالم وجود میں آ گیا جس کا
 نام ہے دیوار۔

مسلم ہوا کہ کسی ہیئتِ وحدانی کے حامل ہونے کے لئے صرف کثرت کے اجزاء کا مجتمع
 ہونا کافی نہیں بلکہ ضرورت ہے اس بات کی کہ اس کثرت کے اجزاء آپس میں ایک
 دوسرے کے لحاظ کیا ساتھ ہم چمے ہوں جس وقت تک مناسبتیں قائم رہیں گی
 اس وقت تک نظامِ نبوی صلاحت کے حدود میں رہیگا۔ اور جس وقت میں
 یہ مناسبتیں مفقود ہو گئیں تو اس وقت میں وہ نظام خراب ہو جائیگا۔ اس کا
 نام ہے فساد۔

اب ہو سکتا ہے کہ وہ اجزاء جس سے اس مجموعہ کی ترکیب ہوئی ہو ان میں سے
 ہر ایک خود بھی بجائے خود خراب ہو مثلاً ایک امیون کی صورت میں مختلف اجزاء
 سے مرکب ہو۔ وہ تمام اجزاء روپری احتیاط اختیار کرتے رہیں گے۔ ان کا وزن
 مناسب رکھا جائے اور رد و اتالی ہی مقدار میں جتنی ہونی چاہیے اتنی ہی داخل
 کی جائے اور جس صورت پر ان اجزاء کو مخلوط کرنا چاہیے اسی طرح مخلوط کئے جائیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين والصلوة على سيد الانبياء المسلمين
ابن لقاسم محمد خاتم النبيين فالله الطيبين الطاهرين
المعصومين من يومنا هذا الى يوم الدين -

تمہید بیان

لا نقصد فساد فی الارض، یہ میرا سرائے بیان ہر جواب کی نگاہوں کے
سامنے آچکا ہو اس شہدائے حق میں جو بطور دعوت نامہ شائع کیا گیا تھا۔

آپ نے ملاحظہ کیا ہو گا کہ میرا موضوع کلام ان دس دنوں میں فساد فی الارض
اس کے انواع و اقسام، ان کے علل اسباب و اس سلسلہ میں مذہب اسلام کے
تعلیمات پر مشتمل ہے۔

غیر خوش آئند موضوع، ناخوشگوار الفاظ اور ناگوار مفہوم کا حامل اس جگہ تک
کہ اگرچہ دنیا اس بات سے کی سالک ہے جسے الفاظ ذہن میں لایے ہیں لیکن فی نشان
انہی طرف اس مفہوم کی نسبت دینے کو گوارا نہیں کر سکتا۔

گو یہ مقام الفاظ میں فساد فی الارض کا وجود ہی نہیں بچا لانکہ مقام عمل میں
دنیا اس سے لبریز ہے۔

امامیہ لکھنؤ کی گاؤں و دیہات

چار سال سے مدرسۃ الاعظمین میں حضرت سید العلماء ادا م طلبہ کے جو معرکۂ ادا م و معظمت ہوتے ہیں جن میں ہر مذہب کی ہزار ہا افراد و اہل تشیع کیساتھ شریک ہوتے ہیں ان میں برابر امامیہ کی جانب سے شارٹ ہینڈ کے ذریعے قلمبند کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔

صرف گزشتہ سال کے بیانات بعض ناگزیر اسباب کی بنا پر شائع نہیں ہو سکے جس کا ہمیں انتہائی افسوس ہے۔

اس سال کے بیانات جو لغایت صفر ۱۳۵۲ھ و دس روز تک مسلسل مدرسۃ الاعظمین میں ہوئے تھے جس موضوع سے متعلق ہیں اس کا تقاضا تھا کہ انہیں جلد از جلد قوم کے سامنے پیش کر دیا جائے مگر ہمیں خوشی ہے کہ ہم اس مقصد میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ ہر سال شارٹ ہینڈ سے قلمبند کرنے کی خدمت میں خود انجام دیتا تھا لیکن اس سال مجھے انتہائی مسرت ہے کہ اس خدمت کو سچن خوبی میرے عزیز ہونا شاگرد محمد طاہر صفائی نے انجام دیا ہے جسے میں اپنی رضیت کا شرف سمجھتا ہوں۔ خدا و سر لوزا ان قوم کو اس طرح کے خدمات انجام دینے کی توفیق

عطا فرمائے دالسلام
خادم مذہب
سید محمد رضا نقوی سکریٹری امامیہ لکھنؤ

اس بزرگ صفت کے حامل ہیں جس کی نسبت کو ہم اپنی طرف ہرگز گوارا نہیں کر سکتے
اس طرح ایک چمکا ہے جو طبیعت انسانی کو بار بار پہنچے گا اور ایک ٹکڑی
جو خاطر سماج کے نازک آئینوں کو برابر لگے گی۔

بہر حال میرا موضوع یہی ہوا درجے اس کے متعلق بیان کرنا ہو اور چونکہ ہمیں
کوئی شخصی بحث نہیں ہو بلکہ کلیات ہیں اور ایسے کلیے جو تمام دنیا کو شامل ہیں اور
کرہ ارض کے کسی قطعہ سے مخصوص نہیں ہیں کیونکہ تمام عالم کے اجزاء اپنے ضروریات کے
اعتبار سے اپنے مختلف حالات کے اعتبار سے اور ان اسباب کے لحاظ سے جو ان کی ترقی
کے لئے ضروری ہیں یا ان کی تنزلی کا باعث ہیں ایک حد تک مشترک کہتے ہیں۔ یہ
اور بات ہے کہ کسی خاص قطعہ ارض میں کم اور کہیں زیادہ لیکن بہر حال بحیثیت مجموعی
اجزائے عالم اپنے میں فساد رکھتے ہیں۔ ابد اس کا کسی کو برائے ماننا چاہیے۔

اس وقت تمام عالم ان مصیبتوں میں مبتلا ہے۔ کوئی خاص جماعت، کوئی
خاص طبقہ، کوئی خاص محل اس کے ساتھ مخصوص نہیں ہو بلکہ عالم کا ہر شخص اس کا
طالب ہے کہ کسی طرح یہ مصیبتیں دفع ہوں کسی طرح امن و سکون، راحت و اطمینان
کی زندگی نصیب ہو۔

اس وقت میں اگر کوئی شخص یہ احساس پیدا کرنے کی کوشش کرے کہ اس
کیا ہیں اور ان کے دفعیہ کی کیا صورت ہے؟ کیا تدابیر ہیں جن سے امن و اطمینان حاصل ہو
اور وہ زندگی کا درجہ جو عینی کی حالت میں گذر رہا ہو وہ راحت و سکون کی صورت

کوئی انسان ایسا ہوگا جو اقرار کرے کہ میرا فساد فی الارض کا مرکز بننے لگا
 گویا الفاظ ایسے ہیں کہ ناگہائی انکی فطرت میں خلل ہو اور طبع انسانی پر گہرا لگزنہ
 ان کا لازمی خاصہ ہے۔

اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان اصل فطرت کے لحاظ سے صلح پسند واقع ہوا ہے
 یہ اسباب خارجی اور دوسرے حالات ہوتے ہیں جو فطرت صحیح پر بڑے ڈال دیتے ہیں اور
 انسان کے ذاتی جو ہر شرافت کو بدم کر کے اُس کو فساد کے راستے پر گامزن کرتے ہیں۔
 اسی نے باوجود اسکے کہ وہ اس راستے کے سالک ہیں لیکن پہنچنے نہیں اُس کے
 نام سے محبت نہیں پیدا ہوتی جالانکہ دنیا میں جو کسی مسلک کا راہروہ وہ اس مسلک
 کی حمایت کرتا ہوا کرتا ہے کہ وہ ٹھیک ہی ہے۔ اسی وجہ سے اختلاف آرا پیدا
 ہوتا ہے جس چیز کو آپ بد سے بدتر سمجھتے ہیں دوسرا اُس کو بہتر سے بہتر سمجھتا ہے
 آپ سرمایہ تنگ قرار دیتے ہیں وہ اُس کو سرمایہ افتخار سمجھتا ہے۔

لیکن فساد فی الارض، یہ چیز ہی ایسی کہ لاکھ انسان اس راستے پر
 گامزن ہوں لیکن وہ خود اُس سے نفرت ہی کرتا ہے۔

پھر ایسی چیز کے متعلق حاضرین کے سامنے روزانہ تفصیل ہوتی ہے، اس
 ضرورت طبیعت کو گریز ہو نا چاہیے خصوصاً جبکہ اسے عنوان کلام قرار دینا بتلا رہا ہے کہ
 دنیا کو اس سبق کے یاد دلانے کی ضرورت ہے۔

اس کا نتیجہ ہونا چاہیے کہ طبیعت انسانی پر بار پڑے اور یہ احساس ہو کہ کیا ہم

اور پھر ظاہری طور پر مختلف اعضا و جوارح سے مل کر ایک جگہ ایک جگہ ہوتا ہے۔ جب تک اجزاء مجتمع ہیں اس
مجموعہ کا وجود کمزور اور اگر یہ اجزاء مجتمع نہ رہیں تو یہ مجموعہ بھی فنا ہو جائے۔ اسی طرح
عالم انسانیّت کا مجموعہ بھی افراد و قوم کے اجتماع پر مبنی ہے اور اگر بیشمارہ اجتماع
پر ہم ہر دم جائے تو عالم انسانیّت کا وجود نہایت کمزور ہو جائے۔

لیکن یاد رہے کہ مرکبات کے وجود کے لئے صرف اجزاء کا کسی نہ کسی صورت پر
ہم اور یکجا ہونا کافی نہیں ہے بلکہ یہ ضروری ہے کہ ان کا اجتماع تناسب کے تحت ہو
یعنی ہر جزو دوسرے جزو کے لحاظ سے اس کی مراعات کیا جائے، اس کا خیال کر لیتے ہو
داخل ہوا ہو۔ اور اگر اجزاء یکجا ہو گئے ہیں مگر آپس میں مناسبتوں کا لحاظ نہیں،
بہم مراعات نہیں تو وہ تمام اجزاء یکجا ضرور ہیں مگر ان سے ایک شے واحد جسے
مرکب کہہ سکیں طیارہ بنو سکے گی۔

جیسے اینٹیوں کا ڈھیر جسے ایک مزدور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل
کر رہا ہے اور لیجا کر ڈال دیتا ہے۔ اسے کوئی خیال نہیں ہوتا کہ ان اینٹیوں میں کوئی
ترتیب ہو۔ کوئی تناسب ہو اسے تو انھیں ڈھیر کی صورت میں گھا دینے سے مطلب ہے
اینٹیں باہم دیگر پاس پاس ضرور ہیں مگر چونکہ ان کا اجتماع کسی تناسب پر مبنی
نہیں ہے اس لئے ان کے اجتماع سے کوئی دھارانی حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی۔

لیکن اگر انہی اینٹیوں کو آپس میں مل کر دیکھتے۔ وہ بھی ان اینٹیوں کو مجتمع
صورت سے پہلو پہلو رکھے ہی گا مگر اس میں ترتیب ملحوظ ہوگی۔ ایک اینٹی دوسری

میں تبدیل ہو کر یقیناً یہ نام باقی سننے کے قابل ہیں۔
یاد رکھنا چاہیے کہ تاریخِ دوا نتیجہٴ نیکو کار ہوتی ہے اس لئے کہ مرض ایسی ناگوار
چیز مائی کے ذریعہ سے رفع ہوتی ہو۔

میرے بیانات اگر کسی کے لئے تلخ، بد مزہ، غیر دلچسپ اور غیر دلکاذ رہیں تو یقیناً
ہونگے اس لئے کہ اس ادبی میں دلچسپی کا وجود نہیں ہے۔ یہ خا زار ہے جس میں خوشگوار
مناظر تفریح نصیب ہی ہو سکتے۔ تو اس سے بدل نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے بیان کیلئے
ہمیشہ میں شمع کو یہ کہہ کر سننے کی دعوت دیتا ہوں کہ وہ دلچسپی کی توقع نہ رکھے۔ میں آپ کو
دھوکا نہیں دینا چاہتا کہ الفاظ کا سنبھال دیکھ لائے یہ توقع قائم کروں کہ میں بیان دلچسپ ہو گا
بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ بیان کرتا ہوں کہ مجھے ایک غیر دلچسپ چیز بیان کرنا ہے اور سننے والوں کو
یہ سمجھ کر سننے کی عورت یا ہوں کہ حقیقتہً وہ ایک غیر دلچسپ چیز سننے کے بعد تک سننے کے مفاد و فائدہ
ہو اگر کوئی جو کچھ میں کہتا ہوں اسے سنے اور سمجھ تو میری محنت ٹھکانے لگے گی اگر کوئی بھی نے
تو کہنا میرا فرض ہے۔ کس شبنو یا شبنو سن گفتگو کیے مکینم۔

فساد فی الارض کا انفرادی و عمومی مفہوم

لا تفسد فی الارض، اس میں سب سے پہلے ضرورت اس امر کے بیان کرنے
کی ہے کہ فساد کیا چیز ہے۔ پھر یہ کہ جب اس فساد کی نسبت روئے زمین کی طرف دیکھ جائے
تو اس کے مفہوم میں کیا تبدیلی پیدا ہوتی ہے،
اس کے لئے یہ سمجھنا چاہیے کہ جس طرح ہیکلِ انسانی مختلف عناصر و مختلفہ

لیکن وہ مفرد دوائیں بجائے خود بدلت کی رکھی ہوئی ہوں اور زمانہ دراز کی عادت
دبر بدلت کے اثر کو برداشت کئے ہوئے اپنے خصوصیات ذاتی کھوئے ہوئے اپنے
آثار و خواص کو خیر باد کہے ہوئے۔ ان اجزاء کو ملا کر اپنے ترکیب یا مگر
چونکہ مفردات ناقص تھے اس لئے اُن کا مجموعہ جو ہوگا وہ بھی ناقص ہوگا۔ یہاں
فساد جو پیدا ہوا ہے وہ مفردات کی خرابی سے۔ اس خرابی کے درجے مختلف
ہوتے رہتے ہیں۔ فرض کیجئے جتنی دوائیں تھیں سب ہی ناقص تھیں تو اُن کا
مجموعہ بالکل ہی ناقص ہوگا اور ممکن ہے کہ بعض دوائیں کامل ہوں اور بعض ناقص
تو اُن کا مجموعہ ایک متوسط درجہ پر ہوگا جو کسی حد تک ناقص ضرور ہے مگر اتنا نہیں
جتنا پہلی قسم کا ناقص مرکب۔

اب اگر فرض کیا جائے کہ سب جزو کامل در ایک جزو ناقص تو ممکن ہے
یہ مجموعہ اپنے مفاد و مقصد کو پورا کرے مگر بہر حال کسی درجہ تک اُس میں نقص ضرور
موجود ہوگا یعنی اُس مجموعہ کی نسبت جس میں وہ ایک جزو بھی ناقص نہوتا بلکہ
حسب بزرگ کامل ہی ہوتے۔

معلوم ہوا کہ اس طرح کا نقص مجموعہ میں مفردات کی بنیاد پیدا ہونا ضروری
ہی نہیں ہے برخلاف یہ صورت ہے کہ مفردات بجائے خود اپنے حدود میں ٹھیک ہیں
اور ہر ایک اپنے خاص فائدہ کا حامل ہے مگر ترکیب میں خرابی ہوئی ہے
خرابی کی بھی دو صورتیں ہیں ایک مقدار کے لحاظ سے یعنی ہر عنصر کو جتنا ہونا

ایزٹکے لحاظ سے رکھی جائیگی۔ اگر کوئی بڑی اینٹ ہر اور اسکے دوسری اینٹ کے پاس رکھ دینے سے وہ استقامت، وہ درستی کہ جو ہونا چاہیے موجود نہ رہے گی تو وہ حمار اس اینٹ کو وہاں سے ہٹا دیگا۔ وہ اینٹ رکھ بیگا جو اس جگہ کے مناسب ہو۔ یہ رد بدل کس لئے ہے بہر تناسب کے لحاظ سے جب اس خصوصیت کو ملحوظ رکھ کر وہ اینٹیں یکجا ہو گئیں تو ان کے اجتماع سے ایک واحد رک عالم وجود میں آگیا جس کا نام ہے دیوار۔

معلوم ہوا کہ کسی ہیئت وحدانی کے حامل ہونے کے لئے صرف کثرت کے اجزاء کا مجتمع ہونا کافی نہیں بلکہ ضرورت ہے اس بات کی کہ اس کثرت کے اجزاء آپس میں ایک دوسرے کے لحاظ کیسا تھم بھم ہوئے ہوں جس وقت تک مناسبتیں قائم رہیں گی اس وقت تک نظام نبوی صلاحیت کے حردو میں رہیگا۔ اور جس وقت میں یہ مناسبتیں مفقود ہو گئیں تو اس وقت میں وہ نظام خراب ہو جائیگا۔ اس کا نام ہے فساد۔

اب ہو سکتا ہے کہ وہ اجزاء جس سے اس مجموعہ کی ترکیب ہوئی ہو ان میں سے ہر ایک خود بھی جائے خود خراب ہو مثلاً ایک ایجن کی صورت میں مختلف اجزاء سے مرکب ہو۔ وہ تمام اجزاء لاپرواہی احتیاط اختیار کر تیٹ بٹے جائیں۔ ان کا ذہن مناسب کھا جائے اور ہر دو اتنی ہی مقدار میں جتنی ہوئی چاہیے اتنی ہی داخل کی جائے اور جس صورت پر ان اجزاء کو مخلوط کرنا چاہیے اسی طرح مخلوط کئے جائیں

وہ مجموعہ بھی ناقص اور اپنی صلاحیتوں کے حدود میں غیر مکمل ہوگا۔

بے شک ان کے درجے مختلف ہیں۔ اگر ہر فرد ناقص ہی تو مجموعہ سرتاپا ناقص ہوگا اور اگر بعض افراد ناقص ہیں اور بعض کامل تو اس اعتبار سے مجموعہ میں نقص کمال کے بین بین حالت کا مظاہرہ ہوگا۔ جبکہ انسان کے ہر طرح کے نقص و فسادات عالم انسانی کے فساد کا موجب ہیں تو علیٰ علم اخلاق نے جو فرد بعض انسانی کی تقسیم کی ہرادر کہا ہے کہ اس کے تین شعبے ہیں ایک وہ جو انسان کی ہی ہو انفرادی حیثیت سے متعلق ہو اور اس کا نام ہے تہذیب و اخلاق۔ دوسرے وہ تعلقات جو ایک گھ کے رہنے والوں کے ساتھ قائم ہو سکتے ہیں اس کا نام ہے تہذیب منزل و رہبر وہ تعلقات جو دنیا والوں کے ساتھ ہیں اس کا نام ہے سیاست۔ یہ تمام شعبے اور ان کے اعتبار سے ہونے والے فسادات سب فساد فی الارض میں داخل ہوں گے۔ اب "فساد فی الارض" ایک وسیع مفہوم ہوگا جس کے اندر ہر انسان کی بد اخلاقی خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی داخل ہوگی اور اس طرح تمام علم اخلاق اور علم شریعت ہی عنوان کے تحت میں مندرج ہوگا۔

ہر انسان کی کوئی معمولی سی کمزوری کہ جو شریعت و اصول اخلاق کے خلاف ہے وہ "فساد فی الارض" کے حدود میں داخل ہو جائیگی۔

موضوع کو آسان سے آسان قرار دینا تو وسیع بنانے کے لئے بحیثیت مقرر کے میرے لئے مناسب ہی تھا کہ میں "فساد فی الارض" کے اسی وسیع مفہوم پر

یہاں خفاہیں کی بہ نسبت زیادہ ہو گیا ایک۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مجموعہ اپنے اثر جماعتی کے اعتبار سے ناقص ہو کیونکہ اس میں وہ مزاج موجود نہیں ہو جو اس مرکب میں ہونا چاہیے تھا اور سر کے کیفیت کے لحاظ سے معنی صورت ترکیب میں خرابی ہو جائے مثلاً جس جز کو مقدم ہونا چاہیے تھا وہ موخر ہو جائے اور جو موخر ہونا چاہیے تھا وہ مقدم۔ اس سے بھی اس مجموعہ میں فساد پیدا ہو جائیگا اور وہ اپنے مفاد ترکیبی کو پورا کر سکے گا۔

جس طرح دنیا کے ہر نظام ترکیبی میں یہ صورت ہے اسی طرح نظام فساد انسانی۔ عالم بشریت کا مجموعہ بھی مختلف عناصر سے مرکب ہے۔ مختلف اجزاء سے مل کر کمال کو پہنچتا ہے۔ مختلف اس کے مفردات ہیں جن کے اجتماع سے طیارہ تیار ہو اگر اسپر۔ اس لحاظ سے دیکھئے جو میں نے دنیا کے ہر مرکب میں آپ کے سامنے پیش کی ہیں اور صلاح فساد کی ان صورتوں پر نظر ڈالئے جو میں نے بیان کی ہیں تو نتیجہ یہ نکلیگا کہ انسانی افراد میں سے ہر شخص کی انفرادی خرابی اثر انداز ہوگی اس عالم کائنات کے مجموعہ پر یعنی ہر انسان کی جو ذاتی خرابیاں ہیں جو اخلاقی نقائص ہیں وہ تمام ایک طرح کے فساد کا باعث ہوں گے اس مجموعہ میں جس کی انہی اشخاص کی تشکیل ہو رہی ہے۔

جب افراد بجائے خود ناقص ہیں اور ان خصائص کے حامل ہیں جو انہیں بحیثیت کمال انسانی ہونا چاہئیں یہ مجموعہ ان تمام افراد کے اجتماع سے حاصل ہوگا۔

میں، وہ فساد کرنے کے لئے دوسری دنیا تھوڑی تلاش کر گیا۔

درحقیقت "ف الارض" کی قید یہاں پر متعلق کے اعتبار سے ہی معنی زمین خدا کو فساد پذیر نہ بناؤ۔ خود اُس کو خراب نہ کرو۔ اُس لئے اس کے ساتھ ایک تکرار بھی قرآن میں موجود ہے کہ لا تفسدوا فی الارض بعدا صلاحا اس "بعدا صلاحا" کے جز کے بعد کوئی شبہ نہیں رہتا کہ یہاں صلاح اور فساد دونوں کا متعلق خود رونے زمین ہی معنی رونے زمین کی صلاح کے بجائے اُس کی تخریب نہ کرو۔

اب پوچھنا ہے کہ "زمین کو خراب کرنے کا کیا مطلب؟ کیا اس سے مراد خود بسط ارض یہ سطح خاک مراد ہے۔

"ارمین کو خراب نہ کرو" یعنی مثلاً کسی کاشتکار کی زمین کو جا کر اُس میں نہ پیدا کرنے کی صلاحیت سلب نہ کرو۔ اُس کے زندہ خطہ زمین کو شور زار بنا کر مردہ نہ کرو۔ یہ صورت وہ ہے جو ظنی حیثیت سے شک میں خراب کرنے کا صحیح مصداق ہے۔ لیکن کیا لا تفسدوا فی الارض کے یہی معنی ہیں؟ ہرگز نہیں پھر کیا؟

درحقیقت "ارض" سے مراد یہاں یہ سطح زمین باعتبار اپنی جمادی خلقت کے نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہے "کرہ ارض" باعتبار اپنے اُن رہنے والوں کے جو اُس میں رہتے سنتے اور بستے ہیں۔

یہ بات آپ کے روزمرہ کے محاوروں میں بھی فوکے بان ہے۔ آپ کسی موقع پر کہتے ہیں کہ "تمام شہر اس کا گواہ ہے" کیا اُس سے مقصود ہے درود یوار اور سطح زمین آپ کے شک

زور دیتا تاکہ میرے بیان میں کافی گنجائش پیدا ہو جائے۔ مگر حقیقتہً جہان تک میں غور کرتا ہوں "فساد فی الارض" کا وہ مفہوم جس کے لحاظ سے قرآن میں اسکا استعمال کیا گیا ہے یہ نہیں ہو یعنی انسانوں کی ذاتی بد اخلاقیات، بری طرح کی پابندیاں شریعت کے گناہ کشی کرنا اور واجبات کو ترک کرنا یہ سب لا تقصد فی الارض کے تحت میں داخل نہیں ہوں۔

جب ایسا نہیں ہو تو ضرورت کے لئے "فساد فی الارض" کے مفہوم کی تشریح کی جائے اور اسی لئے میں نے سابق میں یہ نتیجہ قائم کی تھی کہ کیا "فساد" کی لفظ کا انفرادی حیثیت سے جو مفہوم ہو وہ "فساد فی الارض" کے ترکیبی الفاظ میں اُسی صورت پر برقرار رہتا ہے یا اس میں کچھ تبدیلی ہو جاتی ہے۔



لا تقصدوا فی الارض، "روئے زمین میں فساد برپا نہ کرو" اس کے معنی؟
 "روئے زمین میں" یعنی زمین کو طرف فساد نہ بناؤ؟

اس کا تو کوئی اصل نہوا اس لئے کہ جو بھی فساد ہوگا وہ بہر حال اس زمین کے حدود میں ہوگا۔ سمندر کی سطح پر، یا ہوائی جہاز پر فضا میں جو اس کوئی فساد ہو تو وہ بھی حدود الارض ہی میں ہے اگر وہ فی الارض، میں ظرفیت باعتبار محل ہو اور جگہ کے اعتبار سے کہا جا رہا ہو کہ زمین میں فساد نہ کرو تو اس قید کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ اس لئے کہ بہر حال جب انسان اس دنیا میں ہو تو وہ جو فساد کرے گا اسی دنیا

یونہی "فسادِ الارض" زمین کے رہنے والے مخلوقات میں اگرچہ چرند و طیور
 پرند بھی، نباتات بھی جمادات بھی مگر جس کا فساد معیاری حیثیت رکھتا ہو اور اس کا
 وسیع دنیاۓ زمین میں جالبِ توجہ ہو وہ اہلِ رض کے اسی طبقہ کا فساد جو جسِ شور
 اور فتنہ کا اختیار ہے جو ہر روں کا حامل ہو یعنی انسان۔

اب معلوم ہو گا کہ مفردات الفاظ کے معانی کی نسبت سے اس ترکیبی فقرہ کے مفہوم
 میں کیا انقلاب ہو گیا۔ الفاظ کی دنیا عجیب و غریب ہے۔ اُس میں معانی کے اعتبار سے
 نئے نئے انقلابات ہوتے رہتے ہیں۔ جو شخص الفاظ کے بالکل ظاہری اصلی و ابتدائی
 معانی پر الفاظ کو محمول کرنے کی کوشش کرتا ہو اُس کو افہام و تفہیم میں بڑے مشکلات
 سے دوچار ہونا لازمی ہو۔

اس کا نتیجہ وہی ہو گا کہ حکیم صاحب کے اس ارشاد کی بنا پر کہ "جاؤ اس نسخہ کو
 جوش دیکھ پی لینا" وہ بیچارہ دیہاتی اُس لکھے ہوئے پرچہ کا غہرہ ہی کو لیجا کر جوش دیکھ
 پی لے۔ الفاظ کے اعتبار سے اُس کا طرزِ عمل بالکل ٹھیک ہے، اس لئے کہ نسخہ نام ہی
 پرچہ کا ہے۔ دواؤں کا نہیں جو عطار کے ہاں سے آتی ہیں۔ انسان اس طرح اپنی
 دنیاۓ روزمرہ میں زندگی نہیں گزار سکتا۔

لاحقہ وافی الارض کے مفہوم میں الفاظ کے انفرادی و سطحی معانی کو
 دیکھتے ہوئے انقلاب ہوا۔ سب سے پہلے "زمین" سے مراد ہوئے "اہلِ زمین" کیسی
 عام مفہوم میں قیود کے ذریعے سے تحدید پیدا کرنا نہیں ہو بلکہ مفہوم لفظ کو ایک بالکل

اور ان کے افرادی و ترکیبی معانی کا تعلق ہو کلام الہی کے مفہوم میں غور و خوض کر لیا
 اسی طرح حق حاصل ہے جس طرح دوسرے اہل زبان کے محاورات میں اور لفظی و عقلی معانی
 کی بنا پر اسی طرح معانی کا تعین کیا جاسکتا ہے جس طرح دوسرے الفاظ میں۔
 اب لا تصدح فی الارض کے معنی ان تمام انقلابات کے بعد کیا ہوئے؟
 یہ کہ مجموعہ عالم بشری کے فساد کا باعث نہو۔

اب اگر مجموعہ عالم بشری کا فساد اُس طرح ہو جو ہم نے سابق میں بیان کیا کہ
 ایک فرد میں بھی اگر خرابی پیدا ہوئی تو وہ خرابی مجموعہ کی طرف عائد ہو گئی اور اس لئے
 ہر فرد جو کسی بُرے فعل کا ارتکاب کرے وہ فساد فی الارض کی مرتکب ہے اگرچہ
 اس بُرائی کا کوئی تعلق اُس کی ذات کے سوا کسی دوسرے شخص سے نہو۔

اگر ایسا ہو تو اس فساد و صلاح میں اس "فی الارض" کی قید کا کوئی منشا ہی
 نہیں۔ مجموعہ عالم انسانیت کو محل فساد قرار دینے کا کوئی فائدہ ہی نہیں آتا
 نتیجہ یہ ہو کہ تم خود فاسد نہو۔ کسی طرح کا فساد پیدا نہ کرو۔

کیونکہ جب کسی صورت میں خود فاسد ہوئے یا فساد پیدا کیا تو بہر حال فساد
 "مجموعہ عالم" کی طرف راجع ہوا۔ پھر "مجموعہ عالم" کی قید لگانے اور "فی الارض"
 کے اضافہ کرنے کا نتیجہ؟

اب کوئی فساد ایسا ہے جو "فساد" تو ہو مگر "فساد فی الارض" کا مصداق
 نہو۔ کیونکہ بہر حال ہم اس مجموعہ کی فرد ہیں اور بہر حال جو خرابی ہم میں پیدا ہو وہ

مبائن جداگانہ مفہوم پر محمول کرنا ہر جہر "ازل زمین" میں تحدید ہوئی کہ سب سے پہلے بلکہ مخصوص ذی شعور مخلوق یعنی انسان۔ اس طرح تمام زمین کے پہنے والے اشیاء جادات نباتات حیوانات خارج ہوئے اور دائرہ ایک قسم سے مخصوص ہو گیا۔

یہ دوست کے حدود میں تقسیم تقسیم میں تخصیص کی صورت تھی لیکن اب ایک اور انقلاب بھی باقی ہوا اور وہ یہ کہ زمین سے مراد یہاں پر کیا واقعی سطح خاک ہے یعنی فساد جو منوع ہے وہ وہی ہے کہ جو اس سطح خاک کے پہنے والوں سے متعلق ہو لہذا اگر کوئی شخص زمین سے ٹکڑے سمندر کی سطح میں جہاز کے تختہ پر بسر کرے تو وہاں فساد پیدا کرنا اس حکم کی زد میں آنے سے قاصر ہوگا اگر کوئی فضا میں قیام کر سکے یا پیدا نہ کرنا ہو۔ وہاں فساد پیدا کرنا ممنوع نہیں ہو ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

"ارض" سے مراد یہاں پر یہ سطح خاک نہیں ہے جو فضا ہو اور سمندر دریا ہے علیحدہ ہو بلکہ زمین سے مراد دنیا۔ چونکہ اس دنیا کے پہنے والی مخلوق انسانی کی یادداشت تعداد یا اعتبار اپنی اقتدا طبع کے وہی ہے جو زمین پر سکونت رکھے۔ اس لئے زمین کی لفظ کا اطلاق ہوا ہے مگر اس میں یہ خصوصیت ملحوظ نہیں ہے جس سے سطح بحر اور وسعت فضائی خارج ہو جائے۔

یہ تمام تصرفات معانی میں بالکل اصول محاورہ اور عام روزمرہ کے مطابق ہیں اس لئے "تفسیر الراءى" کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا کیونکہ تفسیر بالراءى ان معانی معانی سے متعلق ہے جو کلام کے تحت اللفظی معانی سے بالکل علیحدہ ہوں لیکن جہاں الفاظ

اس بزرگ صفت کے حامل ہیں جس کی نسبت کو ہم اپنی طرف ہرگز گوارا نہیں کر سکتے
اس طرح ایک عجیب گاہ ہے جو طبیعت انسانی کو بار بار پہنچے گا اور ایک شریع
جو خاطر احمکے، ازک، آبلینوں کو برابر لگے گی۔

بہر حال میرا موضوع یہی ہوا اور مجھے اس کے متعلق بیان کرنا ہی اور جبکہ ہمیں
کوئی شخصی بحث نہیں ہے بلکہ کلیات ہیں اور ایسے کلیے جو تمام دنیا کو شامل ہیں اور
کرہ ارض کے کسی قطعہ سے مخصوص نہیں ہیں کیونکہ تمام عالم کے اجزاء اپنے ضروریات کے
اعتبار سے، اپنے مختلف حالات کے اعتبار سے اور ان اسباب کے لحاظ سے جو ان کی ترقی
کے لئے ضروری ہیں یا ان کی تنزلی کا باعث ہیں ایک حد تک شراکت کرتے ہیں۔ یہ
اور بات ہے کہ کسی خاص قطعہ ارض میں کم اور کہیں زیادہ لیکن بہر حال بحیثیت مجموعی
اجزاء اے عالم اپنے میں فساد کرتے ہیں۔ اب اس کا کسی کو پرانا ماننا چاہیے۔

اس وقت تمام عالم ان مصیبتوں میں مبتلا ہے۔ کوئی خاص جماعت، کوئی
خاص طبقہ، کوئی خاص محل اس کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ عالم کا ہر شخص اس کا
طالب ہے کہ کسی طرح یہ مصیبتیں دفع ہوں کسی طرح امن و سکون، راحت و اطمینان
کی زندگی نصیب ہو۔

اس وقت میں اگر کوئی شخص یہ احساس پیدا کرنے کی کوشش کرے کہ اس
کیا ہیں اور ان کے دفعیہ کی کیا صورت ہے؟ کیا تداہیر ہیں جن سے امن و اطمینان
اور وہ زندگی کا درجہ جو عینی کی حالت میں گدہ رہا ہو وہ راحت و سکون کی صورت

کوئی انسان ایسا ہوگا جو اقرار کرے کہ میں فساد فی الارض کا مرتکب ہوں
گویا الفاظ ایسے ہیں کہ ناگوار ہی انکی فطرت میں خلل ہو اور طبع انسانی پر گہرا لگدڑنا
ان کا لازمی خاصہ ہے۔

اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان اصل فطرت کے لحاظ سے صلح پسند واقع ہوتا ہے
یہ سب باطنی اور دوسرے حالات ہوتے ہیں جو فطرت صحیح پر پورے ڈال دیتے ہیں اور
انسان کے ذاتی جو ہر شرافت کو بدمقام کر کے اس کو فساد کے راستے پر گامزن کرتے ہیں۔
اسی لئے باوجود اسکے کہ وہ اس راستے کے سالک ہیں لیکن پہلے بھی انہیں اس کے
نام سے محبت نہیں پیدا ہوتی حالانکہ دنیا میں جو کسی مسلک کا راہرو ہو وہ اس مسلک
کی حمایت کرتا ہوا رہا کرتا ہو کہ وہ ٹھیک ہی ہو۔ اسی وجہ سے اختلاف آراء پیدا
ہوتا ہے جس چیز کو آپ بد سے بدتر سمجھتے ہیں دوسرا اس کو بہتر سے بہتر سمجھتا ہے
آپ سرمایہ ننگ قرار دیتے ہیں وہ اس کو سرمایہ اتخاڑ سمجھتا ہے۔

لیکن فساد فی الارض، یہ چیز تو ایسی کہ لاکھ انسان اس راستے پر
گامزن ہو لیکن وہ خود اس سے نفرت ہی کرتا ہے۔

پھر ایسی چیز کے متعلق حاضرین کے سامنے روزانہ تفصیل ہوتی ہے، اس
ضرورت طبیعت کو گریز ہونا چاہیے خصوصاً جبکہ اسے عنوان کلام قرار دینا بتلا رہا ہے کہ
دنیا کو اس سبق کے یاد دلانے کی ضرورت ہے۔

اس کا نتیجہ ہونا چاہیے کہ طبیعت انسانی پر بار پڑے اور یہ احساس ہو کہ کیا ہم

یونہی "فساد فی الارض" زمین کے رہنے والے مخلوقات میں اگرچہ چند کچھ ہیں
بہ نیک بھی، نباتات بھی جمادات بھی مگر جس کا فساد معیاری حیثیت رکھتا ہے اور اس مقام
و وسیع دنیا کے زمین میں غالب توجہ پروردہ اہل رض کے اسی طبقہ کا فساد جو جس شور
اوتقلد و احتیاس کے جوہروں کا حامل ہے یعنی انسان۔

اب معلوم ہو گا کہ مفردات الفاظ کے معانی کی نسبت سے اس ترکیبی فقرہ کے مفہوم
میں کیا انقلاب ہو گیا۔ الفاظ کی دنیا عجیب و غریب ہے۔ اُس میں معانی کے اعتبار سے
نئے نئے انقلابات ہوتے رہتے ہیں۔ جو شخص الفاظ کے بالکل ظاہری اصلی و ابتدائی
معانی پر الفاظ کو محمول کرنے کی کوشش کرتا ہو اُس کو افہام و تفہیم میں بڑے مشکلات
سے دوچار ہونا لازمی ہے۔

اس کا نتیجہ وہی ہو گا کہ حکیم صاحب کے اس ارشاد کی بنا پر کہ "جاؤ اس نسخہ کو
جوش دیکھ کر پی لیتا" وہ بچارہ دیہاتی اُس لکھے ہوئے پرچہ کا غہ یہی کہ لیجا کر جوش دیکھ
پی لے۔ الفاظ کے اعتبار سے اُس کا طرز عمل بالکل ٹھیک ہے، اس لئے کہ نسخہ نام ہی
پرچہ کا ہے۔ دواؤں کا نہیں جو عطار کے یہاں سے آتی ہیں۔ انسان اس طرح اپنی
دنیا کے روزمرہ میں زندگی نہیں گزار سکتا۔

لا تقسدا فی الارض کے مفہوم میں الفاظ کے انفرادی و سطحی معانی کو
دیکھتے ہوئے انقلاب ہوا ہے جسے پہلے "زمین" سے مراد ہوا ہے "اہل زمین کی کسی
عام مفہوم میں قیود کے ذریعے سے تحدید پیدا کرنا نہیں ہو سکتا مفہوم لفظ کو ایک بالکل

شہر تو اسی کا نام ہو مگر کوئی واقعہ ایسا ہو کہ کھنڈ کے تمام ہنر والے کھنڈ پھور کر دہلی چلے جائیں تو بھی کھنڈ اپنی جگہ ہی پر رہے گا۔ یہ نہیں کہا جائیگا کہ کھنڈ دہلی پہنچ گیا بلکہ کھنڈ خالی ہو گیا اور کھنڈ کے لوگ دہلی چلے گئے معلوم ہوا کہ کھنڈ نام نہ ہنر والا تھا نہیں بلکہ اس رقبہ زمین اور اسکے عمارات وغیرہ کا بچہ کن جب بچے کہا کہ تمام شہر اس بات کا گواہ ہو۔ وہاں شہر سے مراد یہ درو دیار نہیں ہیں کیونکہ وہ گو ابی دینے سے جامعہ ہیں۔ اسی طرح آپ فرماتے ہیں "تمام شہر اس سے واقف ہے" "تمام شہر سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہو" وغیرہ یقیناً شہر سے مراد ان تمام مواقع پر جو یہاں ملے۔ "تمام دنیا اس کو جانتی ہو" تمام ملک اس سے واقف ہے۔ "تمام صوبہ اس سے آگاہ ہو" یہ تمام وہ الفاظ ہیں جو برابر ہماری زبان پر آیا کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں اسکی تفسیر ہو۔ "وَأَسْأَلُ الْقَوْمَ الَّذِیْ كَفَرُوا الْعِبْرَةَ" اقبلنا فیما وانا لصادقون حضرت یوسفؑ کے قصہ میں ہر ملک کے بھائیوں نے حضرت یعقوبؑ کے کہا آپ اس قریہ سے پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے۔ بالکل ظاہر ہو کہ "قریہ" سے مراد یہاں پر اہل قریہ ہیں۔ انہی مثالوں کے مطابق زمین کے اصلاح و فساد سے مراد اہل زمین کا صلاح و فساد پھر اہل سے مقصد وہ زمین کے ادیر کی مخلوق مراد نہیں جو ذی شعور نہ ہو۔ جیسے کھنڈ اس میں نباتات تھے، حیوانات تھے مگر جو مخلوق ان میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا وہ انسان اس لئے یہ کہنے کا محل ہوا کہ تمام کھنڈ واقف ہو۔ حالانکہ واقفیت کا تعلق فطرت کھنڈ کے رہنے والے ذی شعور طبقہ یعنی انسانوں کے ساتھ مخصوص ہو۔

اور ان کے افرادی و ترکیبی معانی کا تعلق ہو کلام الہی کے مفہوم میں غور و خوض کر لیا
اسی طرح حق حاصل ہے جس طرح دو کے اہل زبان کے محاورات میں اور لفظی و عقلی اعتبار
کی بنا پر اسی طرح معانی کا تعین کیا جاسکتا ہے جس طرح دو کے الفاظ میں۔

اب لا قصد فانی الارض کے معنی ان تمام اقلات بات کے بعد کیا ہوئے؟
یہ کہ مجموعہ عالم بشری کے فساد کا باعث نہو۔

اب اگر مجموعہ عالم بشری کا فساد اُس طرح ہو جو ہم نے سابق میں بیان کیا کہ
ایک فرد میں بھی اگر خرابی پیدا ہوئی تو وہ خرابی مجموعہ کی طرف عام ہو گئی اور اُس نے
ہر فرد کو کسی بڑے فعل کا ارتکاب کرے وہ فساد فی الارض کی مرتکب ہے اگرچہ
اُس پرانی کا کوئی تعلق اُس کی ذات کے سوا کسی دوسرے شخص سے نہو۔

اگر ایسا ہو تو اس فساد و صلاح میں اس "فی الارض" کی قید کا کوئی منشا ہی
نہیں۔ مجموعہ عالم انسانیت کو محل فساد قرار دینے کا کوئی فائدہ ہی نہیں آتا
نتیجہ یہ ہو کہ تم خود فاسد نہو کسی طرح کا فساد پیدا نہ کرو۔

کیونکہ جب کسی صورت پر بھی خود فاسد ہوئے یا فساد پیدا کیا تو بہر حال فساد
"مجموعہ عالم" کی طرف راجع ہوا۔ پھر "مجموعہ عالم" کی قید لگانے اور "فی الارض"
کے اضافہ کرنے کا نتیجہ؟

اب کوئی فساد ایسا ہے جو "فساد" تو ہو مگر "فساد فی الارض" کا مصداق
نہو۔ کیونکہ بہر حال ہم اس مجموعہ کی فرد ہیں اور بہر حال جو خرابی ہم میں پیدا ہو وہ

مبائن جداگانہ مفہوم پر محمول کرنا ہر جہز "ازل زمین" میں تحدید ہوئی کہ سب سے پہلے مخصوص ذی شعور مخلوق یعنی انسان۔ اس طرح تمام زمین کے رہنے والے اشیاء جادات نباتات حیوانات خارج ہوئے اور دائرہ ایک قسم سے مخصوص ہو گیا۔

یہ سوچ کے حدود میں تقید۔ تعلیم میں تخصیص کی صورت تھی لیکن اب ایک اور انقلاب بھی باقی ہو اور وہ یہ کہ زمین سے مراد یہاں پر کیا واقعی سطح خاک ہے یعنی فساد جو منسوع ہے وہ دہی ہے کہ جو اس سطح خاک کے رہنے والوں سے متعلق ہو لہذا اگر کوئی شخص زمین سے ٹھکر سمندر کی سطح میں جہاز کے تختہ پر بسر کرے تو وہاں فساد پیدا کرنا اس حکم کی زد میں آنے سے قاصر ہوگا اگر کوئی فضا میں قیام کر سکے یا پیدا کرنا ہو۔ وہاں فساد پیدا کرنا ممنوع نہیں ہے ایسا ہرگز نہیں ہے۔

"ارض" سے مراد یہاں پر یہ سطح خاک نہیں ہے جو فضا و ہوا اور سمندر و دریا سے علیحدہ ہو بلکہ زمین سے مراد دنیا۔ چونکہ اس دنیا کے رہنے والی مخلوق انسانی کی زیادہ تعداد باعتبار اپنی افتاد طبع کے دہی ہے جو زمین پر سکونت رکھے۔ اس لئے زمین کی لفظ کا اطلاق ہوا ہے مگر اس میں خصوصیت ملحوظ نہیں ہے جس سے سطح بحری اور وسعت فضائی خارج ہو جائے۔

یہ تمام تصرفات معانی میں بالکل اصول محاورہ اور عام روزمرہ کے مطابق ہیں اس لئے "تفسیر الرائی" کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا کیونکہ تفسیر الرائی ان جہتی معانی سے متعلق ہے جو کلام کے تحت اللفظی معانی سے بالکل علیحدہ ہوں لیکن جہاں الفاظ

اور بلا لحاظ خصوصیت عموم نوع بشری متعلق ہیں جس طرح ”رفاہ عام“ وہ کام ہیں جو عامہ نوع بشر کو فائدہ پہونچانے کے باعث ہوں۔ ایک شخص کسی دوسرے انسان کی ذات کو کوئی فائدہ پہونچانے وہ ”رفاہ عام“ کا مصداق نہوگا۔ ایک شخص اپنے خاندان کی پرورش کرے اُسے ”رفاہ عام“ نہ کہیں گے۔

”رفاہ عام“ آپ کہیں گے اُن کاموں کو جو بلا لحاظ خصوصیات مجبورۃً عالمِ انسانی کو فائدہ پہونچانے والے ہوں اور فائدہ عامہ کے باعث ہوں۔ اس کا نام ہر ”رفاہ عام“ بس اسی سے آپ ”فساد فی الارض“ کا مفہوم سمجھ لیجئے۔

بلا لحاظ شخص۔ بلا لحاظ خصوصیت جو امور مفاد عامہ کے خلاف ہوں اُن کا ارتکاب کفرِ نا دوسری لفظوں میں مفاد عامہ کے خلاف اقدام کرنا۔ مفاد عامہ کے صدمہ پہونچانا۔ اس کا نام ہر ”فساد فی الارض“۔

اگر ”رفاہ عام“ کے معنی سمجھ میں آسکتے ہیں تو ”فساد فی الارض“ کے اس مفہوم کا سمجھنا بھی کوئی دشوار نہیں ہے۔ اب بگئی اس کی تفصیل کہ کون چیزیں اس مفہوم میں داخل ہیں اور کون خارج اس کے لئے آئندہ بیان کے انتظار کی ضرورت ہے۔



مجموعہ کی خرابی کا باعث ہوگی۔ ایک شخص جھوٹ بولا روئے زمین میں فساد ہو یعنی اس انسان کو جو بھی نسبت مجموعہ عالم انسانیت کے ساتھ حاصل ہو اسی نسبت کے لحاظ سے اس مجموعہ کی صلاحیت قائم ہوئی اور اس میں فساد کا گزر ہوا۔

اس طرح کوئی فساد ایسا نہیں مل سکتا جو ”فساد فی الارض“ نہ ہو۔ لیکن فساد میں اس قید کے اضافہ کا ہونا بتلاتا ہے کہ فساد دو قسم کا ہر ایک وہ ”جو فساد“ تو ہے مگر اس مجموعہ عالم انسانی سے متعلق نہیں اور ایک وہ جو مجموعہ سے متعلق ہے۔

اس بنا پر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ”فساد فی الارض“ سے مراد وہ فساد نہیں ہے جو باعتبار اجزاء خواہ مخواہ اس مجموعہ کی طرف اوج ہو بلکہ اس فساد سے مراد وہ فساد ہے جو براہ راست اس مجموعہ ہی سے تعلق رکھتا ہو اور اس طرح وہ فساد جو براہ راست کسی چیز کے ساتھ متعلق کسی شخص کے ساتھ مخصوص نہ ہو ”فساد فی الارض“ کا مصداق نہ ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ فساد کی دو قسمیں ہیں۔

ایک فساد انفرادی اور ایک فساد اجتماعی دو کے الفاظ میں ”فساد خاص“ اور ”فساد عام“ بہت ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنی انفرادی زندگی میں بد اخلاقیوں کا مرتکب ہوتا ہو لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ فساد فی الارض کا مرتکب ہو۔ ممکن ہے کہ کوئی اپنے گھر کے اندر لڑتا بھڑتا بھی ہو یا مختلف اشخاص کو لڑوا تا بھی ہو لیکن فساد فی الارض کا مرتکب نہ ہو۔ فساد فی الارض وہ خرابیاں ہیں جو بلا تخصیص

اس کے معنی تھے "شے پوشیدہ" یعنی پھیلانے کے قابل چیز کے روایات میں صنف
اناث پر اطلاق اسی تو صیغی معنی کے لحاظ سے ہوا ہے مثلاً الذنساء عتی و عتی
صنف نازک کو عورت کہنا اس لحاظ سے تھا کہ ان کے لئے پردہ لازم ہے لیکن
ہم جب عربی میں "عورت" کی لفظ دیکھیں تو اُسی اپنی زبان کے معنی کی طرف
ذہن منتقل ہو جائیگا اور وہ خصوصیت دماغ میں نہ آئیگی جو اصلی معنی کے لحاظ
سے اس میں مضمر تھی۔

دوسری مثال "احسان" عربی لفظ ہے اور آپ کی زبان میں مستقل
ہر مگر آپ کی زبان میں آنے کے بعد اس میں ایک قسم کی منت اور تفوق کا
عنصر شریک ہو گیا ہے یعنی احسان کرنا، اس کے معنی ہو گئے ہیں دوسرے کے
حقوق سے زیادہ یا بلا حق اسکے ساتھ کوئی حسن سلوک کرنا۔ اسی بنا پر آپ اس کے
تعلق کو ظاہر کرتے ہیں "ادب" کی لفظ کے ساتھ یعنی یوں کہتے ہیں کہ "فلاں بے
احسان کیا" گو یا ایک بار بزرگوں کی طرف سے دوسرے شخص کے کاغذوں پر
آتا ہے۔ اب جس وقت عربی میں یہ روایت گوش زد ہوتی ہے کہ من بکی علی
الحسین فقد احسن بالنبی دفاطمة تو بیان کرنے والا بھی چھوٹے یہ
ترجمہ کرتا ہے کہ "جو شخص امام حسین پر ردیا اس نے احسان کیا رسالت اور
حضرت فاطمہ زہرا پر" اور سننے والے بھی یہی سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ عربی میں
"احسان" کے معنی ہی نہیں ہیں۔ وہاں احسان کے معنی ہیں "حسن عمل" کے معنی

ایک غلطی کا دفعیہ

”فساد کے لفظ گہاری زبان میں جب مطلق کیا جائے تو عام افراد کا ذہن منتقل ہوتا ہے نزاع، جنگ، جدال و شورش نہنگا مٹے معانی کی طرف۔ اس کے علاوہ فساد کے معنی اُن کے ذہن میں نہیں آتے۔

یہ حقیقت عربی الفاظ کے اُردو میں منتقل ہونے کے بعد جو تصرفات ہوئیں اُن کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جب کوئی لفظ کسی زبان سے دوسری زبان کی طرف منتقل ہوتا ہے تو بہت کم ایسا ہوتا ہے اُس کے اصلی خصوصیات جو پہلی زبان میں تھے بالکل اُسی صورت پر محفوظ رہیں بلکہ نقصان طبع ہی ہے کہ کچھ نہ کچھ اُس کے معانی میں تغیر ضرور ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو پہلی زبان سے تھوڑا بہت ربط رکھتے ہیں لیکن پورا اقتدار نہیں رکھتے اور دوسری زبان کے محاورات اُن کے دماغ میں بسے ہوئے ہیں، وہ جب اس لفظ کو اُس پہلی زبان میں دیکھتے ہیں تو اپنی مناسبت طبعی کی بنا پر اُن کا ذہن دوسرے معنی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر اکثر اُردو دان طبقہ کا فاضل نامک عربی کے ترجمہ میں ٹھوکر کھاتے ہیں وہ عربی کا ترجمہ کرتے ہیں اپنے اُردو محاورات کے موافق اس لئے وہ صحیح نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو ”عورت“ کا لفظ یہ اصل میں عربی ہوا اور آپ کی زبان میں نام ہوا اس صنف خاص کا جو مردوں کے مقابل ہو لیکن عربی میں

اس آیت کے مفہوم سے بالکل الگ کر دیا ہے۔ ہل جزاء لاحسان ہوتا ہے۔
 ذہن میں جو مفہوم پیدا ہوتا ہو وہ صرف یہ کہ کسی کے ساتھ اگر ہم کوئی اچھائی
 بطور احسان کریں مثلاً کسی کو درو پیہ دیدیں تو اسے بھی وقت پڑے پر ہماری
 ایسی ہی امداد کرنا چاہیے لیکن عربی کے اعتبار سے ان الفاظ کا مفہوم مخصوص اس
 طرح کی اعانت کرنا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ”اچھے کام کا بدلہ اچھائی
 کے ساتھ ہونا چاہیے“ بے شک وہ احسان جسے اپنے اپنی زبان میں احسان قرار
 دیا ہے وہ ایک فرد ہو۔ اس احسان کی جسے آیت بتلا رہی ہے۔

تیسری مثال سلوک۔ اس کے معنی ہماری زبان میں ہو گئے ہیں کسی
 کی مدد کرنا۔ بڑے طرز عمل کے لئے ضرورت قید لگانے کی ہو معنی ”بدر سلوکی“
 لیکن جب اس قید کو نہ لگایا جائے۔ یوں کہا جائے کہ فلان شخص نے میرے ساتھ
 سلوک کیا، تو اس کے معنی اچھے طرز عمل اور امداد و اعانت کے قرار پانے میں آتا کہ
 عربی زبان میں کہ جہاں سے یہ لفظ آیا ہے ”سلوک“ کے معنی ہیں کسی راستے پر
 چلنا اور علم تصوف میں اصطلاح ہو گئی ہو مسلک طریقت و عرفان پر چلنے کی۔
 اس کے علاوہ کثیر التعداد مثالیں ہیں جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عربی
 سے آئے ہوئے الفاظ اردو میں اکثر اپنے اصل معانی کے خلاف مستعمل ہیں اور
 اس بنا پر ترجمہ کرنے میں کثر لوگوں سے غلطی ہوتی ہے اس لئے کہ اپنی زبان کے
 مانوس معنی ذہن کو اپنی ہی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ ان سے ذہن کے مٹانے کیلئے۔

ابھی رفتار اختیار کرنا۔ نیک طرز عمل ظاہر کرنا اس لئے جو ترجمہ ہم نے روایت کیا وہ اردو محاورہ کے مطابق ہو لیکن اس کو اصل روایت کے معنی سے کوئی تعلق نہیں اور پھر بجائے خود درست بھی نہیں۔ اس لئے احسان وہ حسن سلوک ہے جو بخیر ہو۔ اسی بنا پر کسی کا کچھ فرضہ آگے ذمہ ہو اور آپ سے وقت پر ادالہ اور وہ بطور شکر سمجھے کہ آپ کا احسان ہو تو آپ فرمائیں گے اس میں احسان کا ہر کا یہ تو آپ کا حق تھا جو ادا کیا گیا معلوم ہوا کہ احسان کے مفہوم میں بے حق ہونے کی خصوصیت مضمحل ہے۔ تو کیا اگر یہ مصیبت سید الشہداء پر حقیقتہً بلا استحقاق ہو اور ان کے حقوق سے زبان ہر کتنے افسوس کی باجی کہ ایک قرض خواہ کی زبان تو یہ شکر کہ آپ کا احسان ہوا ہمارے دل پر چوٹ لگے اس لئے کہ اس میں بے حق ہونے کا پہلو پایا جاتا ہے اور منہ پر اسلام اور ان کے اہلبیت ایسے حقدار حضرت کے لئے ہم اس نسبت کو گوارہ کریں کہ ہمارا احسان ہوا ان کے اوپر۔

اسی طرح قرآن مجید کی یہ آیت کہ **هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ** یا یہ آیت کہ **إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ** وغیرہ شکر برابر ہمارے ذہن اور دماغی انہی طرف کھینچ لیجاتے ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہو کہ ہم ترجمہ میں اسی لفظ احسان کو دہرائتے ہیں۔ یوں ترجمہ کرتے ہیں مثلاً کہ "احسان کا بدلہ نہیں ہر سوائے احسان کے" اور خدا انہیں ضائع کرتا احسان کرنے والوں کے ثواب کو، "حالانکہ حقیقتہً ترجمہ میں احسان کی لفظ کے آنے نے ترجمہ کے مفہوم

اور لوگوں کو جنگ نہ کرنے سے ترغیب دینا فساد فی الارض ہوگا اور جنگ صلاح فی الارض ہے۔

”فساد فی الارض“ کے انواع و اقسام

گزشتہ مفہوم کی بنا پر جمہور کے اندر کسی صورت سے خرابی پیدا کرنا اور فساد عامہ کے خلاف کوئی اقدام کرنا فساد فی الارض ہے۔ اس کی تقسیم مختلف حیثیتوں پر کی جاسکتی ہے۔ پہلی تقسیم { باعتبار ان خرابیوں کے جو افراد جمہور میں پیدا کی جائیں اور اس کی حسبِ یل تقسیم ہیں۔

(۱) دماغی و ذہنی فساد (۲) معاشرتی و اجتماعی فساد۔

(۳) اخلاقی و عملی فساد (۴) سیاسی و تمدنی فساد۔

دوسری تقسیم { باعتبار ان صورتوں کے جو فساد کے لئے اختیار کی جائیں۔ اس لحاظ سے دو صورتیں ہیں ایک وہ جو بغیر جنگ پیکار کے رونما ہو۔ دوسرے وہ جو مادی ہتھیاروں سے اور جنگ پیکار سے پیدا ہو۔

تیسری تقسیم { باعتبار ان اشخاص کے جو اس فساد کے ذمہ دار ہوں۔ ان میں نمایاں جماعتیں جو فساد کی ذمہ دار ہوتی ہیں حسبِ یل ہیں۔

(۱) علمائے ملت یعنی رہنمایان روحانی لیکن یہ ظاہر ہے کہ علماء حقیقی کبھی فساد کے باعث نہیں ہوتے اسلئے مراد علمائے یہاں وہ طبقہ ہے جو عام طور پر ”علماء“ کے نام سے

ضرورت ہے کہ عربی زبان کے محاورات کے ساتھ ذہن کو آنا انسان و محبت پیدا ہو جائے
کہ اپنی زبان سے پیدا شدہ خصوصیت اس پر غلبہ حاصل نہ کرے۔ اس صورت
میں عربی زبان کے الفاظ کو انسان اردو محاورات کی روشنی میں نہیں بلکہ اصل
عربی محاورات کے مطابق سمجھنے کے قابل ہو گا اور صحیح ترجمہ کر سکا۔

”فساد فی الارض“ کے مفہوم میں بھی یہی صورت پائی جاتی ہے۔ ہماری
اردو زبان میں ”فساد“ کے معنی ہو گئے ہیں ردائی جھگڑا۔ ہنگامہ شورش جنگ
جدال وغیرہ اور اس لئے جب ہم ”فساد“ کی لفظ عربی میں بھی دیکھتے ہیں تو یہی معنی
سمجھتے ہیں اور اس کا ثبوت یہ کہ ”لا تفسدوا فی الارض“ کا ترجمہ کرتے ہیں
”زمین خدا میں فساد برپا نہ کرو“ یہاں ایک تو ہم نے فساد کی لفظ کا اعادہ کر دیا
جو اردو میں جنگ جدل ہی کے معنی کا حامل ہے دوسرے اس کیساتھ ضمیمہ لگا دیا
”برپا نہ کرو“ کے لفظ کا اور ظاہر ہو کر ”برپا کرنا“ معرکہ، ہنگامہ، شورش، جنگ اور
فتنہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے لیکن عربی زبان کے محاورہ کے لحاظ سے فساد اس مفہوم
کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ”فساد“ کے معنی ہیں خرابی اور ”فی الارض“ کے تعلق
کے بعد اس کا مفہوم ہو گیا وہی کہ مفاد عامہ کے خلاف اقدام کرنا۔

فتنہ و فساد وغیرہ جسے اردو میں ”فساد“ کی لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ بھی مفاد
عامہ کے خلاف ہونے کی بنا پر فساد کی ایک قسم قرار پا سکتا ہے لیکن فساد کا مکمل مفہوم
نہیں کہو کہ بعض اوقات جبکہ جنگ مفاد عامہ کے موافق ہو تو وہاں ترک تباہی و

جو تقبیہیم، باعتبار وہ ابھی داغراض کے۔ فساد کرنے والے کا۔ ایک فساد پر کبھی
 فائدہ کا حصول ہوتا ہے اپنے نفس، اپنے خاندان، اپنے کسی مخصوص شخص یا جماعت کی سبقت
 اور کبھی صرف جذبہ انتقام جس میں کسی دوسرے کو تکلیف پہنچانا مقصود ہوتا ہے اور اس
 کوئی نفع بھی اپنا یا کسی کا حاصل نہیں ہوتا اور تیسری قسم فساد کی عجیب و غریب کہ فساد
 کا مقصد کچھ بھی نہیں ہوتا ہے مفید پسندی اور ہنگامہ پردی کے۔ یہ انسان دنیا کے اضطراب
 سے لطف حاصل کرتا ہے اور فساد سے اسے سترت حاصل ہوتی ہے جس میں نہ خود اس کو اپنا
 کوئی فائدہ مد نظر ہو اور نہ کسی خاص شخص یا جماعت کو کوئی نقصان پہنچانا مقصود۔
 یہاں فساد کا مقصد بس فساد ہی ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔

یہ فہرست ہر فساد کے اقسام کی جن کی تشریح حتی الامکان آئندہ کی جائیگی۔

فساد شخصی و فساد نوعی کا باہمی تعلق

میں نے سابق میں مجملہ بیان کیا ہے کہ شخصی بد اخلاقیوں اور ذاتی ضرر رسانیاں
 فساد کے حدود میں داخل نہیں ہوتیں لیکن یہ اسی وقت تک ہے جب تک بد اخلاقی محدود حیثیت
 رکھے لیکن یہ بد اخلاقی اگر متعدد شکل اختیار کر لے تو وہ فساد فی الارض میں داخل ہو جائیگی
 مثلاً فساد فی الارض کے دو شعبے ہیں حقوق اللہ اور حقوق الناس، گزشتہ
 بیان کے لحاظ سے حقوق اللہ کہ از کم بالکل انفرادی شخصی اور ما بین خود و خدا حیثیت رکھتے

یاد کیا جاتا ہو لیکن اس میں بہت سے جھوٹے اور کھوٹے موجود ہوں اور فساد ہمیشہ انہی جھوٹے افراد کے ہاتھ سے رونما ہوتا رہی۔

(۲) زعمائے قوم یعنی رہنمایان سیاسی، یہ بھی اگر خالص در سچے ہی خواہ ہوں تو ان سے فساد و فتنہ ہو سکتا ہے ان میں بھی چونکہ اکثر ریاکار، ظاہر دار اور خود غرض ہوتے ہیں اسلئے وہ فساد کا باعث ہوتے ہیں۔

(۳) سلاطین و ملوک، ان کا فساد بزدل طاقت ہوتا ہے اس لئے بہت بُور ہوتا ہے۔

(۴) خطباء و مقررین، یہ لوگ قوم کے مزاج عقلی میں بہت حد تک خیل ہوتے ہیں اسلئے صلاح و فساد کی ذمہ داری ان پر بہت زیادہ عائد ہوتی ہے۔

(۵) شعراء، ان لوگوں کا اثر اس زمانہ میں زیادہ ہوتا ہے جناب شعری صرف تفریح طبع کا ذریعہ بنائی گئی ہو لیکن موجودہ زمانہ میں اس کا اثر بہت کم رہ گیا ہے اس لئے کہ صرف ذریعہ تفریح قرار دے دی گئی ہے۔

(۶) اخبارات، یہ اس زمانہ میں قوم کے خیالات میں بہت زیادہ انقلابات کا سبب ہو سکتے ہیں۔ ان اقسام میں پہلی اذیت سیری قسم کا فساد بہت بُور ہے، ہمہ گیر اور دیر پا ہوتا ہے۔ دوسرے پہلا زیادہ تر دماغی و ذہنی اور اخلاقی و عملی ہوتا ہے اور دوسرا سیاسی تمدنی اور معاشرتی، اجتماعی لیکن بہر حال ان میں سے ہر ایک نے زندگی کے تمام شعبوں پر کچھ نہ کچھ اثر کیا ہے۔

حد تک اثر کے بغیر نہیں رہتا اور دوسرے فسادات ان کے مقابلہ میں جزئی حیثیت رکھتے ہیں اور اس قدر بُور نہیں ہوتے۔

اس سے معلوم ہوگا کہ عقیدہ اگرچہ انفرادی بلکہ اپنی چیز ہو جو صرت انسان کے ضمیر و دل سے متعلق ہے لہذا اگر کوئی غلط سے غلط عقیدہ اپنے دماغ میں محدود رکھے تو وہ صرف اپنے اس خیال کی بنا پر کسی "فساد" کا مرتکب نہیں قرار دیا جاسکتا مگر یہ اسی وقت جب تک وہ اس کے دماغ تک محدود ہو اور اگر اس نے متعدد شکل اختیار کی یعنی اس عقیدہ کی نشر و اشاعت کرنا چاہی۔ دوسروں کو بھی پناہم دوانا چاہا اور ان کے مزاج عقلی کو خراب کرنا چاہا تو ایسا شخص مفسد کی تعریف میں داخل ہو جائے گا جس کے بعد مفاد عامہ کیلئے اس کی زبان بندی کرنا عین صلاح ہوگی۔

یہ حقوق اللہ کا تذکرہ تھا۔ اب دوسرا شعبہ یعنی حقوق الناس، میں بیان کیا تھا کہ جہاں تک انفرادی حیثیت کہیں "فساد فی الارض" کی تعریف میں داخل نہوں اور اس لئے ممکن ہو کہ بڑے سے بڑا ظلم جو دوسرے انسان پر ہو یا ان تک کہ قتل نفس، اگر اس کا عام افراد کیساتھ کوئی تعلق نہیں ہو تو وہ انفرادی حدود سے تجاوز نہیں سمجھا جاسکتا لیکن جب غور سے دیکھا جاتا ہے تو یہ چیز بہ اعتبار خصوصیات متعلق مختلف ہو۔

کوئی ایک فرد ایسی ہوتی ہے کہ اس سے مفاد عامہ کا تعلق ہو، اس فرد کو کسی طرح کی ایذا پہنچانا، تکلیف دینا اگرچہ بچائے خود شخصی جرم ہے لیکن چونکہ اس سے مفاد عامہ کو بھی نقصان پہنچتا ہے اسلئے وہ فساد فی الارض میں داخل ہوگا۔

اسی طرح چند آدمیوں میں مثلاً جو ایک محدود جگہ پر رہتے ہیں جھگڑا و نزاع

ہیں۔ ایک شخص بذات خود نماز نہیں پڑھتا۔ باروزہ نہیں رکھتا یا کسی ایسے فعل حرام کا مرتکب ہوتا ہے جس کا کوئی تعلق خلق خدا کے ساتھ نہیں ہو تو ایسا شخص گنہگار ہو، مگر اس کو فساد فی الارض کا مرتکب نہیں کہا جائیگا۔

لیکن اگر یہی منقذی شکل اختیار کرے، ایک شخص خود نماز نہیں پڑھتا اور اس کے ساتھ ترغیب و تنبیہ نماز نہ پڑھنے کی خود روزہ نہیں رکھتا۔ اور دوسروں کو روزہ رکھنے سے روکتا ہو، روزہ پر مضحکہ کرتا ہو، کسی خرابیاں بیان کرتا ہو اور یہ کہتا ہو کہ روزہ عربوں کے لئے تھا اس زمانہ میں جبکہ وہ جسمانی طور پر طاقت اور قوت رکھتے تھے لیکن ہم لوگ کمزور و ناتواں ہیں ہم لوگوں کو روزہ کے حکم کے کوئی معنی نہیں۔ اس طرح لوگوں کو اس غلط راستے کا سالک بناتا ہے جس پر وہ خود کام زن ہو جاتا ہے۔ جب تک وہ خود اس راستے کا سالک تھا اس کو دئے زمین کی اجتماعی حیثیت سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن اب اس نے اپنے اس غلط مسلک کی نشر و اشاعت کی اور اپنے شخصی عمل کو نوعی بنانا چاہا اور وہ فساد فی الارض میں داخل ہوا۔

یہ فساد اکثر پہلی تقسیم کے لحاظ سے معاشرتی و اخلاقی، اور کبھی اجتماعی و تمدنی ہوتا ہے اور کم از کم دہی و داغی، یعنی اگر اس غلط راستے جسے کادہ دوسروں کو بھی سالک بنا رہا ہو، بیعت اجتماعی کی معاشرت پر کوئی اثر نہیں پڑتا تمدن پر کوئی اثر نہیں پڑتا تب بھی کم از کم ایک غلط خیال لوگوں کے دماغ میں ماسخ ضرور ہوتا ہے اور

اس طرح ایک فساد ہے جو اس کے ہاتھوں خلق خدا میں منتشر ہوتا ہے

مصلح اور مفسد کا تفرقہ

”مصلح“ اور ”فساد“ کے حدود کا تعین بہت آسان تھا اگر دونوں کا دائرہ ایک دوسرے سے جدا گانہ ہوتا۔

مگر دشواری یہ ہو کہ جو چیزیں ایک وقت میں مصلح فی الارض ہوتی ہیں وہی دوسرے وقت فساد فی الارض بشک قتل نفس جو فساد فی الارض کا مصداق ہوتا ہو یہی کبھی مصلح خلق کا ذریعہ جنگ جو فساد ہو دوسری کبھی مصلح اسطرح انبیا و ظلم و تعدی کی حیثیت سے فساد اور تادیب و تعزیر کی حیثیت سے مصلح۔

اب ذرا دشوار ہو کہ مصلح اور فساد کے حدود کا تعین بالکل الگ الگ کر دیا جائے اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر مصلح مفسد ہونے کے الزام سے دوچار اور ہر مفسد مصلح ہونیکا دعویٰ ہوتا ہے۔ مصلح اپنے طریقہ کار میں دغظ و نصیحت، زجر و توبیخ، سرزنش و ملامت کرتا ہو تو مفسد بھی مصلح بنکر یہی طریقہ اختیار کرتا ہو۔ اس اگر کہے کہ تم مفسد ہو تو وہ ماننے کے لئے طیار ہو گا۔ یہ کیسا کہ میں دنیا کو آن غلط طریقوں سے جن پر وہ چل رہی ہو ہٹانا چاہتا ہوں اور صحیح راستے پر لگانا چاہتا ہوں اسلئے میں مفسد نہیں ہوں بلکہ مصلح ہوں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہر مفسد ہمیشہ مصلح سمجھا جاسکتا ہو اور ہر مفسد مصلح بن سکتا ہو۔

حقیقت میں یہ دونوں مر جا گانہ ہیں اور اپنے اپنے ضمیر کے اعتبار سے بھی

پیدا کر دینا ممکن ہر لاف و فساد کی الارض میں داخل نہو، بے ثبات فتنہ ہے جسے
 کہا گیا ہر الفتنۃ امت من القتل لیکن فساد فی الارض تو اس وقت سے جب
 اس سے عمومی حیثیت سے مفاد اجتماعی کا تعلق ہو لیکن بہت ممکن ہے کہ چند اشخاص
 ایسے ہوں جن کے آپس میں ملے جلے رہنے ہی پر نظام دنیا موقوف ہو ان چند اشخاص
 میں آپس میں بھڑٹا دینا اور جھگڑا کر دینا فساد فی الارض کی نمایاں مثال ہوگی۔
 فرض کیجئے ایک انسان دو ملک کے بادشاہوں میں تصادم کرے۔ ظاہر ہے
 کہ باعتبار شخصی حیثیت کے تو وہ انسان ہی ہیں لیکن دو انسان ایسے ہیں جن کا
 متصادم ہو جانا گو یا زمین کے دو قطبوں کا باہم دھکے ملنا جانا ہے پھر اس سے بڑھ کر
 فساد فی الارض اور کیا ہوگا۔

کسی کا مال لے لینا اور لوٹ لینا ممکن ہے کہ اگر شخصی حیثیت تک محدود رہے
 تو اس عنوان کے تحت میں داخل نہو لیکن ایک زن جو اپنا پیشہ ہی بنا لیتا ہے۔
 قانون کی گند گاہ میں سر راہ بیٹھتا ہے اس کو کسی کی خصوصیت نہ نظر نہیں ہے۔
 جو بھی ادھر سے گزرے گا اس کو لوٹ لیگا۔ یہ یقیناً "فساد فی الارض" کا مرتکب ہے
 اسی طرح ایک باطل راستے کی طرف دعوت دینے والا وہ مسلک حق کا راہزن
 ہے۔ راہ زن کا جرم ہلکا نہیں ہوگا۔ اگر اتفاق سے کوئی اس راستے پر نہ گزرا
 اور اس کی راہ زنی کا ارادہ پورا نہوا اسی طرح اُن اعلیٰ ہطل کی مفسدانہ حیثیت پر کوئی
 اثر نہ پڑے گا اگر اسکے کہنے میں کوئی نہ آیا اور اس کی بات بے اثر ثابت ہوئی۔

اورد و کفر فراق کی طرف اس کا عکس ہی یعنی وہ اس کو مفسد کہہ ہی ہو۔

اسکے بعد فراق ثالث جو ان دونوں سے علیحدہ ہو کر کس طرح امتیاز کرے کہ کون مصلح ہو اور کون مفسد؟

اگر انسان اس کشمکش فکر سے گھبرا کر غور کرنے ہی کی رحمت نہ برداشت کرے اور ایک مصلح کی آواز کو صرف اس بنا پر ناقابل اعتبار سمجھ کر ممکن ہو یہ مفسد ہو تو پھر مصلحتی حقیقی کے لب خشک ہو جائیں، آوازیں ٹپ جائیں، کوششیں بیکار ہو جائیں اور ان کی آواز پر کوئی لبیک ہی نہ کہے اور دنیا کی اصلاح کا مقصد فوت ہو جائے۔

یہی وجہ تھی کہ اسلام نے دنیا میں اگر یہ نہیں کہا کہ جو میں کہتا ہوں وہ مان لو بلکہ یہ کہا کہ جو کہتا ہوں اسے سمجھ لو۔ یاد رکھئے گا کہ یہ ایک بہت بڑا معیار ہے مصلح کی سچائی کا۔ اگر مصلح دنیا کو یہ سمجھاتا ہو کہ آنکھیں بند کر لو۔ کانوں پر پٹے ڈال لو اور میری شخصیت سے مرعوب ہو کر میری بات کو تسلیم کر لو تو سمجھ لینا چاہیے کہ مصلح میں کھوٹ ہے اور اگر مصلح اپنے لایحہ عمل کو یہ کہہ کر پیش کرتا ہو کہ جو کہتا ہوں اسے عقل سے سمجھ لو اور غور کر کے اگر ماننے کے قابل سمجھو تو مانو یعنی وہ دنیا کی عقلی طاقتوں کو بیاد کرتا ہو وہ شبہات کے پردوں کو جو پڑے ہوئے ہیں ہٹاتا ہو۔ تو معلوم ہو گا کہ اسے اپنی سچائی پر بھروسہ ہے اور اسکے ساتھ وہ خیر خواہ خلق ہے۔ بنخواہ نہیں ہے۔ اب یہ دنیا کا فرض ہے کہ وہ اس کی تعلیم و ہدایت پر غور کرے اور آیات حقیقت کی تلاش کرے۔

اسکے بخلاف اگر کوئی جماعت ایسی گھڑی ہوئی جس نے اس اعلیٰ مصلح کی

ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ میں مفسد ہوں یا مصلح لیکن دشواری تو دوسرے لوگوں کے لئے ہے کہ وہ کس کو مصلح سمجھیں اور کس کو مفسد۔

جبکہ دیکھا جاتا ہے کہ فساد کا الزام طرفین سے ایک دوسرے کی جانب عائد ہوتا ہے ایک مصلح دعوت دیتا ہے کہ دنیا کو غلط راستے کا سالک دیکھ کر اسے صحیح راستے پر لانے کی کوشش کرتا ہے، اسلئے اصلاح کا علم بلند کرتا ہے لیکن مفسدین اُس پر فساد کا الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم خاموش فضا میں تلاطم اور پرسکون ماحول میں اضطراب پیدا کر رہے ہو اسلئے مفسد ہو اور خود اُن کو اگر کہا جائے کہ تم مفسد ہو تو وہ کہیں گے کہ نہیں ہم درحقیقت مصلح ہیں۔

قرآن مجید میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ قَالُوا اِنَّا مُصْلِحُونَ اَلَا اَتَتْهُمْ اَھْمُ الْمَفْسِدُونَ وَلٰكِن لَّا یَشْعُرُونَ ”جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد پیدا نہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں اسلئے جواب میں کہا جاتا ہے کہ (معلوم ہونا چاہیے کہ مفسد ہی لوگ ہیں لیکن یہ بھولے بنتے ہیں اور گویا اپنی مفسدہ پردازی کی ان کو خبر نہیں ہے۔“

اب خدا پر ایمان ہے۔ اُس کی کتاب پر ایمان ہے اس لئے یقیناً وہ لوگ مفسد اور اُن کے عداوی صلاح غلط لیکن اگر تشکلم سے قطع نظر کر لیا جائے تو صورتحال صاف تائی ہے کہ ایک جماعت اپنے تئیں مصلح بتا رہی ہے اور دوسرے فرقہ کو مفسد

نظام عالم کی بنیاد حرکت پر جزا و حرکت پر اجزا و وقت و احاطہ میں مجتمع نہیں ہو سکتا۔ دنیا ایک قنار پر جاری جزا اور رفتار کی بنیاد ان قدموں پر جزا میں سے راستہ طے کیا جاتا ہے اور ہر بعد میں آئیوالا قدم اس وقت تک نہیں سکتا جب تک پچھلا قدم موجود ہو کر فنا نہ ہو جائے۔

اس سب کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر عمارت کا اس دنیا میں قائم ہونا موقوف کسی دوسری عمارت کے خراب ہونے پر ہر چیز جو وجود میں آتی ہے وہ ترتیب سے کسی چیز کے معدوم ہونے پر یہ سلسلہ عدم و وجود کا جاری ہے جو ایک نظام کی صورت میں قائم ہے۔

اس طرح یہ کہنے کا محل ہے کہ اس عالم کی بنیاد فنا و زوال پر جزا اور اس کی تعمیر میں خرابی کی صورت میں ختم ہے۔ لہذا اگر ہم اس دنیا کی اصلاح کرنے کی کوشش کریں تو جب تک کسی عمارت کو خراب کرنے کی کوشش نہ کریں جس وقت تک کسی بنیاد کو فاسد نہ کریں اور جب تک کسی نقش کو محو نہ کریں اس وقت تک اس سننے و نقش کو جسے ہم اصلاح کے نام سے موسوم کرتے ہیں قائم نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد تعمیر اور تخریب کے حدود مشترک ہو جاتے ہیں اور اس کی بنا پر بھی مصلح اور مفسد کا تفرقہ دشوار ہو جاتا ہے۔ اگر اصلاح و فساد کی صورتیں بالکل جدا گانہ ہوتیں یعنی اصلاح کسی شے کا عالم نیستی سے ہی میں لانا ہوتا اور فساد کسی شے کا ہستی سے نیستی کی طرف منتقل کرنا تو اسان تھا کہ تعمیر اور تخریب کے جدا جدا حدود قائم کر سکیں۔ جہاں کوئی نیا نقش قائم کیا گیا یہ تعمیر ہے اور جہاں کسی بنیاد کو منہدم کیا گیا یہ تخریب ہے۔

صد ہی کو خاموش کرنا۔ ~~اور اگر کوئی شخص اس سے روکتا ہے تو اسے مصلح ہوگا اور لوگ~~

تجدد و انقلاب حکیمانہ نگاہ

۱۹۱

شرعیۃ اسلام کی جامعیت کا اصلی فلسفہ -

صلحی کو ششوں کے تعمیری ہونے کا معیار

عالم کی بنیاد کو ن دفساد پر ہر دنیا کا کوئی نقش قائم نہیں ہوتا جب تک اس نقش میں نہ جاکوئی
نی دیوار کھڑی نہیں ہوتی جب تک پرانی دیوار نہ ہدم نہ ہو جائے عالم کا نئے نئے سنہ کی مضبوطی
تازہ حجابوں کے خمیے لگتے نہیں جب تک پرانے ڈیرے کھڑے نہیں اس دنیا کی سستی
میں آنے والے قافلے اس وقت تک نہیں سکتے جب تک گذشتہ قافلے منزل عدم کی جانب
رہ سپار ہو کر ان کے لئے جگہ خالی نہ کریں اگر دنیا کی سب سے پہلی پیداوار نیوالی مخلوق
اسی حالت پر قائم رہتی جس طرح پیدا ہوئی تھی تو یہ گونا گون طلسماتی نقوش جو ہماری
آنکھوں کے سامنے آتے ہیں اور تالیف کے ورق کیسا فضا لٹتے جاتے ہیں ہماری آنکھوں کے
سامنے نہ آتے ۔

تفسیر و تفسیر ہی سے پیدا ہوتی ہے۔

پھر معیار کیا ہے صلاح اور فساد۔ تفسیر اور تخریب کا؟ معیار یہ ہے کہ انسان قدیم اور جدید کا موازنہ کرے اس عمارت میں جواب تک قائم ہے اور اس عمارت میں جس کا نقشہ دماغ میں اسکے بجائے تجویز کیا گیا ہے ان دونوں میں باعتبار مفاد عامہ تقابل کرے اور یہ دیکھے کہ ان میں سے کون ضروریات کے زیادہ مطابق ہے۔

اگر موجود عمارت ایسی خرابیاں رکھتی ہے جن کی بنا پر یہ ضرورت ہے کہ نیا کافی ہے اور مجوزہ عمارت ان نقائص سے خالی ہے تو بے شک وہ کوشش جو اس عمارت کی تخریب کی صورت میں کی جائیگی وہ نتیجہ تفسیر ہوگی اور اگر ہم نے دیکھا کہ یہ عمارت جو وقت موجود ہے ہر حیثیت سے مکمل ہے۔ اس میں خرابی موجود نہیں ہے اور وہ تجویز شدہ عمارت جو ذہن میں ہے اپنے فوائد کے اعتبار سے کوئی ترجیح اس موجود عمارت پر نہیں رکھتی تو اس صورت میں موجود عمارت کو خراب کرنا ہرگز تفسیر نہیں کہا جاسکتا۔

اب اگر وہ عمارت جو نگاہ میں ہے اپنی مضرتوں کے اعتبار سے موجود عمارت سے بہتر ہے تو انقلابی کوشش کرنا خالص تخریب ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ عمارت بننے کے بعد موجود عمارت کے مساوی ہوگی لیکن اس عمارت کے گرنے اور اس عمارت کے نکلنے کے بعد ہونے تک تنازعہ ہوگا جس میں انسانی ضروریات مصالح و مباد ہونے اور ان کی کئی خاطر خواہ معاوضہ بھی حاصل نہ ہوگا تب بھی موجود عمارت کے برباد کرنے کی کوشش تفسیری مفاد کے خلاف ہوگی۔

لیکن جبکہ طریق عمل کے لحاظ سے، صورت کارگزاری و حیثیت سے مصلح اور مفسد کا
طرز عمل ملتا جلتا ہو اور یعنی جو مصلح ہو وہ بھی ایک صورت حال کو فائدہ مند اور دوسری
صورت حال کو اس کے بجائے قائم کرتا ہو اور جو مفسد ہو وہ بھی یہی کرتا ہو تو اب تمہیں
بہت دشوار ہوگئی کہ کون تعمیر کرے یا ہو اور کون تخریب؟

ہم دو شخصوں کو دیکھ رہے ہیں کہ دونوں بھاڑوا ہاتھ میں لئے ہوئے بنی بنائی ہوئی
عمارت پر چلا رہے ہیں۔ ظاہری صورت کی بنا پر بہت آسان ہو کہ یہ کہہ نیا کہ دونوں
تخریب کر رہے ہیں یعنی ایک بنی ہوئی عمارت کو برباد کر رہے ہیں لیکن ہمیں کیا معلوم کہ
ان میں سے کون اس عمارت کو اس غرض سے شکستہ کرتا ہو کہ اس کے بجائے ایک بہتر
عمارت قائم کرے اور کون اس غرض سے نہیں۔ یہ تو نتیجے سے متعلق ہو اور نتیجہ مستقبل
کے ساتھ وابستہ۔

اس سے آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ قدامت پرستی اور تجدید پروری کی جنگ جو آپ کے
درمیان جاری ہو کس قدر لا جہل اور بے معنی ہو اسلئے کہ تجدید صرف اس حیثیت سے کہ
وہ تجدید کرنے قابل تلاش ہو اور نہ قابل ملامت کیونکہ عالم کی بنیاد تغیر پذیر ہو اور
اسی لئے زمانہ کا وصف، ”نیزنگ“

قدیم قائم شدہ عمارت صرف قدیم ہونے کی بنا پر مورد تائید نہیں بن سکتی
اس لئے کہ ممکن ہو اس میں ضرورت اصلاح ہو اور اصلاح کی بنیاد تجدید ہی پر ہو
اور نہ مورد ملامت ہی بن سکتی ہو کیونکہ ممکن ہو اس کا بد بنا تخریب ہو اور تخریب ہی

اس کے علاوہ ضرورت سے اس بات کی کہ یہ انسان عقل و تدبر کے اعتبار سے
اتنا کمال بھی رکھتا ہو جتنا اس عمارت کے تعمیر کرنے والے میں کمال کی ضرورت تھی۔

میں ایک عمارت دیکھتا ہوں۔ خود کبھی ایک اینٹ سی ملا کر دوسری اینٹ
رکھنا بھی نہیں سیکھا مگر اس عمارت کو دیکھ کر میں نے فر فر نفا نفاں بیان کرنا شروع کر دئے۔
یہ چیز یہاں ہوتی تو بہت اچھا تھا اور یہ چیز بجائے اسکے ہوتی تو بہت اچھا نہیں
ہیاں پر یہ کسر ہو اور یہاں پر یہ نقصان لیکن اگر مجھ سے کہا جائے کہ جانتے نفاں
کالڈیں تو میں کہوں گا کہ کوئی میں مہار تھوڑی ہوں۔

اگر میرا اعتراض صرف اعتراض تک محدود ہو تو غنیمت ہی لیکن اگر میں نے
جدوجہد بھی شروع کر دی اور اس عمارت کو رفتہ رفتہ گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔ یہ میر
ہاتھ کی بات تھی اس لئے کہ گرانے کے لئے کسی کارگر بھی کی ضرورت نہیں ہے لیکن جب
مجھ سے کہا گیا کہ اب اس عمارت کو بنا بھی دیجئے تو میں نے کہا اس کا میں ذمہ تھوڑی
ہوں۔ اس کے بجائے دوسری عمارت قائم کرنا میرے بس میں تھوڑی ہو۔ اب
تلاش شروع ہوئی کہ مٹا لائے جائیں۔ اتفاق سے مہار اس جگہ غیر موجود دوسر
مالک سے مہار ملا کر لائے گئے۔

فرض کیجئے کہ انھوں نے برسوں کی طویل مدت میں پھر تعمیر کر بھی دی لیکن اس
دوران میں جو نقصانات ہوئے جو ضروریات عالم انسانی فوت ہوئے اور جو مفاسد
پا مال ہوئے ان کا ذمہ دار کون ہے۔

اگر اس میں کوئی اور نقصان نہ ہو تو یہی کیا کہ ہے کہ موجود عمارت قائم شدہ عمارت
ہر درودہ عمارت ابھی حادہ خیال میں اور صرت متوقع ہو بہت ممکن ہے کہ ہم اس وقت
اس موجودہ عمارت کو گرا دیں اور پھر ہم کو موقع اس دوسری عمارت کے کھڑے کر دینا
نہ ملے تو نتیجہ ہم نہ ادھر کے رہیں نہ اُدھر کے ۔

اس طرح اقصائے عقل یہ ہے کہ موجود حالات کے خلاف جو بھی اقدام جس وقت
کیا جائے وہ انتہائی غور و خوض کا نتیجہ ہو اور ہرگز کسی سطحی نظر یا سرسری نگاہ پر
مفاد عامہ کی قیمت کا فیصلہ نہ کیا جائے ۔

اگر کینہ الا موجودہ عمارت کی خرابیاں بیان کرتا ہوں لیکن کوئی مکمل خاکہ نہیں لکھا
جس عمارت کے خراب کر نیکیے بعد برسر کار دلایا جائے ۔ وہ جن کی زبان اعتراضات کرتے ہیں
تیزی کے ساتھ جلتی ہو لیکن جب ان سے پوچھ لے کہ آپ اس کے خلاف کوئی مکمل نقشہ
بتائیے تو اس وقت ان کی زبان لکنت کرتی ہے، ان کے لب خشک پڑتے ہیں اور ان کی
آواز میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے اس لئے کہ ان کے دماغ میں خود کوئی مکمل نقشہ
موجود نہیں ہے جو اس عمارت کے بجائے قائم کیا جائے جو ان تمام ضروریات کو پورا
کرے جو اس وقت پورے ہوتے ہیں اور ان تمام نقائص سے پاک ہو جو اس وقت
بیان کئے جاتے ہیں ۔

ایسے لوگوں کا طرز عمل یقیناً تخریبی ہے اور یہ لوگ نتیجہ کے اعتبار سے مفید ہیں
اگرچہ وہ خود اس کو سمجھتے نہیں ۔

عین فساد فی الارض ہوگا۔

قرآن نے ہمارے سامنے اس حقیقت کو کہ اصلاح بھی تجدید ہوتی ہے اور تخریب بھی تجدید کا نتیجہ ہوتی ہے ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم "خدا انہیں تغیر دیتا اُس شے میں جو کسی قوم کے اندر ہے جب تک کہ خود تغیر نہ دیں اُس شے میں جو ان کے نفوس کے اندر ہے"

مکن تھا کہ اس "شے" کی جگہ کوئی لفظ رکھ دیا جاتا لیکن اگر کوئی لفظ رکھ دیا جاتا تو مفہوم محدود ہو جاتا اور وہ زندگی کے خوشگوار یا ناخوشگوار کسی ایک پہلو سے مخصوص ہو جاتا! اس صورت میں اگر یہ مفہوم ہوتا کہ خدا کسی خیر و برکت کو نہیں دیتا جب تک حالات میں تبدیلی نہ کی جائے تو نتیجہ صرف یہ نکلتا کہ فساد نتیجہ ہے تجدید کا اور اگر یہ مفہوم ہوتا کہ خدا کسی بری حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک ذاتی حالات میں تبدیلی نہ ہو تو نتیجہ یہ ہوتا کہ اصلاح بغیر تجدید نہیں ہوتی لیکن قدرت نے معینہ الفاظ کو چھوڑتے ہوئے ابہام کو اختیار کیا معانی میں وسعت پیدا کرنے کے لئے یہ عجیب

لطف ہے کہ لفظ کی زیادتی معنی میں کمی کا باعث ہوتی ہے مگر یہاں لفظ کی کمی نے معنی میں وسعت پیدا کی۔ تمام الفاظ کو چھوڑ کر ایک لفظ "مہم" یا "اختیار کیا گیا" دو حروف جس سے زبان مختصر لفظ غیر ممکن ہے کیونکہ حرف واحد بھی ہو تو مقام تلفظ میں دو حرف بن جائیگا مگر اس مختصر ترین لفظ نے معنی کے اندر وسعت پیدا کر دی۔ اب معیار اصلاح بھی اسی سے معلوم ہوا اور معیار فساد بھی: "خدا کسی چیز کو جو ایک قوم میں ہو نہیں پاتا

کیا ایسی جدوجہد اصلاحی کوشش اور تعمیر کی جا سکتی ہے؟
 یاد رکھنا چاہیے کہ تخریبک سان ہزار تعمیر بہت دشوار۔ فساد سہل ہے اور
 اصلاح مشکل۔

اصلاح کی ضرورت محسوس ہو تو اس طرح اصلاح کیجئے کہ موجود عمارت قائم رہے
 اور اس میں جو نقصان ہیں وہ رفتہ رفتہ دور ہو جائیں نہ ایسی اصلاح کہ موجود عمارت
 بھی پوند زمین ہو جائے اور دوسری عمارت کا خواب منون تعمیر نہ ہو۔

بہر حال تعمیر اور تخریب کا معیار یہ ہے کہ موازنہ کیجئے پہلی حالت میں درجہ بدلتا
 میں اگر سابقہ صورت میں کچھ نقصان ہیں تو ضرور انہیں دور کرنے کی کوشش کیجئے
 لیکن ان عام قوانین میں جو تمام نوع انسانی متعلق ہیں سمجھنا کہ موجود قانون
 ضروریات زندگی کے لئے پوسے طور پر مطابق ہے یا نہیں موقوفہ اس بات پر کہ
 انسان اس شے کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھتا ہو۔ ضروریات زندگی کا پورا مطالعہ کر چکا ہو
 اور پھر ضروریات زندگی شخصی نہیں کسی خاندان کے مخصوص نہیں کسی حلقہ سے
 مخصوص نہیں بلکہ تمام نوع انسانی کے ضروریات زندگی، اس لئے ایک مصالح کی
 ضرورت ہے جو نوع انسانی کے ضروریات کا احاطہ کئے ہوئے ہو۔ تمام مختلف طبقوں
 اور جماعتوں اور حالات پر ایسا عبور رکھتا ہو کہ موازنہ قانون ایسا قائم کر سکے جو سب کے
 حیثیت سے مفید ثابت ہو۔ مگر بغیر اس صورت کے کسی عمارت کو صرف اعتراض
 کی بنا پر خراب کرنے کی کوشش کی گئی تو مجھے اسے اصلاح ماننے میں عذر ہے بلکہ یہ

ہر لاکھوں کا ہوتا تھا لہذا اب بھی جو کنگنا بند تھا تھا لہذا اب بھی ضرور بند ہے۔ شادی
 میں سینڈیاں بنتی تھیں لہذا ضرور بنیں، چوتھی میں مصنوعی جنگ ہوتی تھی لہذا اب بھی ضرور بنے
 نہیں ہرگز نہیں اگر ہماری زندگی کے لئے یہ رسوم قاتل کی حیثیت رکھتے ہیں تو فنا ہونے
 کے قابل ہیں اس عادت کو یقیناً تباہ ہونا چاہیے اور اسکے بجائے نئی عمارت کھڑے ہو کر زندگی
 ہی ہم کو کھلانے والا ہو تو ترک کیسے کریں یہ تو بزرگوں کے وقت سے چلی آ رہی ہیں یہاں ہی جیسے شکر گنج تھے
 انامجدنا اباۃ عالمی متہ وانا علی تارہم مقتدین ہم نے اپنے باپ دادا کو کیا ہے یہ
 چلنے دیکھا ہو..... ہم بھی اسی راستے پر چلے جائیگے، اگر باپ دادا کے تقیبا
 کا رہی پر چلنا ذریعہ نجات ہوتا تو انبیاء و رسولین کے آنے کی ضرورت کیا تھی کیونکہ ہر حال دنیا میں بہت سی
 رسمیں قائم ہوتی ہی ہیں اور جو رسم قائم ہو جائے اس کا برقرار رہنا ضروری ہے تو پھر نبی اگر کیا کر گیا
 نبی ایک نیا کو تبدیل کر گیا یا نہیں۔ اگر اس نے تبدیلی کی اور پرانے رسوم کو مٹائے

لے لاقصد فی لادھن اس کا عمل ہرگز نہیں ہو کہ میں اس میں زندگی کے مختلف شعبوں میں جن اصلاحات
 کی ضرورت ہو ان کو تفصیل سے بیان کروں یہ حال میں ہر سال اس کے متعلق کچھ نہ کچھ کہتا دیتا ہوں۔
 ”اسوہ حسنہ“ اور اسلام کی حکیمانہ زندگی میں سے اکثر ایسے مسائل کا ذکر کیا ہے جو اود تجارت اور اسلام“ بھی
 اسی سلسلہ کا ایک جزو ہے اور شریعت میں ایک مستقل موقع اصلاح و رسوم کے متعلق ہو چکا ہے اور رسوم
 عوام کے متعلق بعض تجارتی و دینی معاملات مختلف انداز کے مضامین سال پویشہ ”اسوہ“ اور ”سرفراز“
 اور نظائر کے محرم نمبروں میں لکھ چکا ہوں جس کا خلاصہ منیڈیل کی کوثر میں جاری کیا جا رہا ہے کیونکہ
 انھوں نے چھبیس سال گذشتہ مجلس میں تقسیم ہی کیا۔ (ارشادات حضرت سید العلماء امجدہ صبر فرماؤ
 ۱۳۵۵ھ)

جتنے اُس شے کو جو اُنکے نفوس میں ہر نہ بلیں، اب اگر کسی قوم کی حالت بہتر سے بدتر ہو گئی تو سمجھنا چاہیے کہ خرابی نتیجہ غیر عقلی اور اگر کسی قوم کی حالت بدتر ہو جائے تو سمجھ کر اصلاح نتیجہ عقلی اب کیا ہوا؟ قدامت پسند عق پر ہر یا تجدید پر مدحق پر؟ نہیں کوئی بھی نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ قدیم صرف قدیم ہونے کی بنا پر باقی رکھنے کے قابل اور جدید صرف جدید ہونے کی بنا پر چھوڑنے کا حق ہو۔ بلکہ قدیم کو دیکھنا چاہیے اُس کے مفاد کے اعتبار سے اور جدید کو دیکھنا چاہیے اُس کے مصلح کے اعتبار سے اگر قدیم نظام انسانی کھیلے زیادہ مناسب ہو تو اسکے بدلنے کی کوشش تخریب کی مراد نہ ہوگی اور اگر جدید زیادہ انسب ہو تو اس کا اختیار کرنا اصلاح ہو گا اور اس اصلاح میں سدا رہنا فساد۔

اسی نظر سے کہ حدیث نے باین الفاظ پیش کیا ہر من من سنة حسنة فله اجر من عمل بها الى يوم القيامة من سنة سيئة فعليه دنر من عمل بها الى يوم القيامة، جو شخص کوئی طریقہ قائم کرے اچھا اُس کو ثواب ملیگا اُن تمام لوگوں کا جو اُس طریقہ پر عمل کریں قیامت کے دن تاکہ اگر جو شخص کوئی طریقہ قائم کرے بُرا اس پر گناہ لکھا جائیگا تمام اُن لوگوں کا جو اُس طریقہ پر چلیں قیامت تک۔

ظاہر ہو کہ طریقہ قائم کرنا بغیر ”تجدد“ نہیں ہو سکتا لیکن یہی تجدید ایک عجاوبہ لکھ جائیگا باعث ہو اور ایک عجاوبہ گناہ کا تفرقہ کیا ہو؟ ”حسنہ“ اور ”سئیہ“ ہو یکا یعنی ایک عجاوبہ طریقہ مفید تھا اس لئے وہ ملائی شکل لکھا تھا اور دوسری عجاوبہ مضرا لکھ ”فساد فی الارض“ کا مصداق تھا اس لئے خیالی پہل غلط تھا کہ جو کچھ زمانہ قدیم سے ہوتا چلا آیا ہو اس کو قائم ہی رہنا چاہیے

تغییرات پیدا ہوں۔ عالم انسانی کے حالات میں ہزاروں انفرادی باتوں لیکن ان کلیوں کے ذریعہ سے ایک بالغ نظر انسان صورت حال کے مطابق رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔

اسی لئے ضرورت ہے کہ شریعت اسلام کے سمجھنے والے ہر زمانہ میں موجود رہیں اس کے صحیح معانی کو اخذ کرنے والے اس کے دلائل سے صحیح نتائج مرتب کر نیوالے اور حالات نامہ کو دیکھ کر احکام شرعیہ کی صحیح تشخیص کرنے والے۔

ضروریات نامہ میں برابر انفرادی بات ہوتے ہیں اور شریعت کے احکام میں بھی باعتبار اشخاص۔ حالات۔ مقامات تبدیلیاں ہوتی ہیں لیکن یہ تمام تبدیلیاں تمام اختلافات تمام تغیرات اسی ایک منبع فضل کے اند ہیں جسے شریعت نے اپنے حدود میں قائم کر رکھا ہو گا یا شریعت اسلامیہ ایک عظیم الشان احاطہ ہو جس کے اند ہزاروں تغیرات و دفا ہو سکتے ہیں لیکن وہ احاطہ نہیں بدلتا۔ بے شک اس کیلئے سمجھنے کی ضرورت ہے اس کیلئے ضرورت ہے کہ انسان ان کلیات سے متعلق مرتب کر سکے ان کلیات سے احکام کو اخذ کر سکے۔

یہی معنی ہیں شریعت اسلام کے مکمل ہونے کے اور یہی راز ہوا اسکے خاتم شرک ہونے کا جس کی بنا پر وہ ناقابل ترمیم و تبدیل ہے۔

ہم نے دیکھا جو سابق زمانہ کی شریعتوں میں کہ کوئی سو برس تک قائم رہی۔ کوئی دو سو برس تک۔ کوئی تین سو برس تک۔ تو کیا اتنے طویل زمانوں کا احاطہ

تو اصلاح ہوگی۔ آپ کا نظریہ یہ ہے کہ جو ہوتا چلا آیا ہے وہ خوب ہے، تو انہیں
کا آنا فضول ہے۔

سابقہ انبیاء کے آنے کا مقصد ان ذہنی و عملی تعلیمات و رسوم کا مٹانا ہے جو
قوموں میں غلط صورت پر قائم ہو جاتے ہیں لیکن آپ کے نبی کی شریعت اتنی مکمل ہے
کہ اس کے لئے آپ کی نبی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اسی کی تعلیم جسے آپ بھول گئے ہیں
اُسی کو یاد دینا آپ کی زندگی کے اہم ترین کاموں میں سے ایک ہے۔
بیشک میں نے کہا کہ ضرورت تجدید ہر زمانہ میں ہے اور تجدید جب تک ہو سکتی
اصلاح نہیں ہو سکتی اور اصلاح جہاں ضروری ہے تجدید بہر حال ضروری ہے۔

شریعت اسلام کا مکمل ہونا، اس کے معنی نہیں ہیں کہ ہمارے ضروریات زندگی
جس رفتار پر جا رہے ہیں اس میں کوئی تبدیلی نہ ہونا چاہیے۔

یعنی بعثت رسولؐ کے پہلے عالم متغیر کا نظریہ ٹھیک تھا اور بعثت حضرت
ؐ کے بعد غلط ہو گیا۔ آپ کے وجود سے پہلے دنیا بے ثبات تھی اور آپ کے بعد دنیا بے ثبات
ہو گئی۔ آپ کی بعثت کے پہلے عالم ایک نظام پر نہیں قائم تھا لیکن آپ کے بعد
دنیا ایک نظام بغیر تبدل و تغیر جو کہ عالم میں علیٰ جا رہی ہے اس لئے شریعت مکمل ہے
ایسا ہرگز نہیں ہے۔ عالم ہر حال میں متغیر ہے۔ دنیا کا نظام بہر صورت تغیر
پہرہ پر ہے اور تغیر ہر زمانہ میں تجدید کا مستلزم ہے لیکن شریعت اسلام کے مکمل ہونے کے
معنی یہ ہیں کہ شریعت اسلام میں ایسے وسیع کھیلے ہیں کہ ضروریات زندگی میں لاکھ

موجب ہیں تو یہ امتداد شریعتوں میں کس اعتبار سے؟
 غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ تغیرات کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا۔ جو صور حال
 میں تبدیلیاں سو برس میں بھی ہوتی ہیں اور دو سو برس میں بھی اور ہزار برس میں بھی
 لیکن یہ تفرقہ باعتبار حدود جامعیت پیدا ہوا یعنی وہ شریعت اپنے حدود میں
 ایسے کلیات رکھتی تھی جو سو برس کے ہونے والے حالات تک کو شامل ہو سکیں۔ وہ دوسری
 شریعت مثلاً ایسے کلیات رکھتی تھی جو دو سو برس تک کے تغیرات کو حاوی ہوں اور
 اس طرح تین سو برس اور چار سو برس تو اس صورت سے اگر کوئی ایسی شریعت ہو جس کے
 وسیع اور جامع کلیات انتہائے دور زمانہ تک و ناما ہونے والے تمام امکانی تغیرات
 کو حاوی ہو سکیں تو یہ شریعت کیوں نہ دائمی حیثیت سے قائم رہے اور اسکے منسوخ
 کرنے کے لئے کسی نبی کی ضرورت کیوں پیش آئے؟

سابقہ شریعتوں میں اس تفرقہ کا قائم کرنا ہی راز تھا اس کا کہ جس طرح
 ان مختلف طولانی مدتوں کے لئے شریعتیں آسکتی ہیں اس لئے کہ انکی جامعیت میں
 تفرقہ ہر اسی طرح ایک ایسی شریعت بھی آسکتی ہے جو اپنی انتہائی جامعیت کی
 بدولت پھر منسوخ ہونے کے قابل نہ ہو۔

یہ شریعت اسلام ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہر لن قبحہ لسنة الله
 تبدیلا ولن قبحہ لسنة الله بخولا لیکن ہر ضرورت یا اور حالات اپنے
 ہیں اور اسی کے اعتبار سے احکام بھی بدلتے ہیں جو ہر حال شریعت کے حدود کے اندر ہی

ایک صورت پر قائم رہتے تھے۔ یہاں سیکڑوں برس میں نظام زندگی میں کوئی
تغیر پیدا نہ ہوتا تھا۔ ؟

دنیا کا نظام یہ بتلاتا ہے کہ وہ برس برس میں یکساں حالت نہیں قائم رہتی
چہ جائیکہ سو برس اور دو سو برس اور تین سو برس! اتنی مدت میں انقلابات پیدا ہوتے
ہیں، تغیرات رونما ہوتے ہیں پھر یہ کیا کہ ایک صاحب شریعت نبی کے بعد دوسرا نبی
مختلف صدیوں کے بعد آتا رہا۔

اسکے علاوہ ہمارے رسول خاتم النبیین کے بعد ۱۲ سو برس تک مثلاً کوئی نبی نہ
ہوا اور اسکے ضرورت پیدا نہ ہو۔ کیا وجہ کہ اس دوران میں کسی نبی کی ضرورت
محسوس نہ ہو؟ اس زمانہ میں کوئی رسول کیوں نہ پیدا ہوا۔ کیا ضروریات زندگی پر
خدا نادر واقعات، کیا حالات مانہ سے وہ بخیر رہے؟ یا کیا باخبر ہونے کے باوجود اس
تسلسل سے کام لیا؟ کیا اس کی طبیعت میں کالہمی ہو کہ ضرورت کا احساس پہلے پیدا
اور کام بعد میں کرے؟ کیا اس کو سوچنے کی ضرورت تھی کہ پہلے احساس پیدا کرے
پھر سمجھے کہ اس کو کیا کرنا چاہیے؟ اس کے لئے اسباب ہتھا کرے؟ نظام کرے پھر
ضرورت کا سرانجام کرے۔ نہیں جبکہ یہ کچھ بھی نہیں ہو تو ماننا چاہیے کہ جس شریعت
کی عمر جتنی تھی خواہ سو برس خواہ دو سو برس خواہ پانچ سو برس بہر حال اس طویل زندگی
دوران میں کسی دوسرے صاحب شریعت نبی کے آنے کی ضرورت نہ تھی۔ پھر یہ کیونکر
تھا جبکہ اس دوران میں تغیرات ضرور ہوتے تھے اور تغیرات ہی نبی کی بعثت کے

لیکن اس تبدیلی کا اثر کیا شریعت پر پڑا؟ نہیں شریعت میں تبدیلی نہیں ہوئی کیونکہ یہ حکم جو جب سے شریعت قائم ہوئی ہے جب ہی سے تھا کہ انسان مسافرت کی حالت میں دو رکعت نماز پڑھے اور یوں چار رکعت پڑھے۔ اتفاق سے اب تک یہ اس صنف میں داخل تھا لہذا اس وقت یہ حکم تھا۔ اب یہ اُس صنف میں داخل ہو گیا لہذا وہ حکم ہو گیا۔ نہ شریعت میں تبدیلی ہوئی اور نہ شریعت کے حکم میں تبدیلی ہوئی۔ یوں ہی دوسرے مقامات میں۔

یہ اور بات ہے کہ کبھی جزئیات کے ذریعہ حکم پیدا ہوتا ہے اور کبھی کلیات کے ذریعہ اگر کلیہ سمیت کلیہ کوئی چیز ہو تو اس سے نکلے ہوئے جزئی احکام اُس شریعت کے حدود سے خارج نہیں ہو سکتے اس لئے کہ کلیہ تو ہمیشہ جزئیات کے وجود کا ہمین منت ہوتا ہے اگر جزئیات سے قطع نظر کیجئے تو کلیہ کا کوئی فائدہ ہی نہ ہوگا۔ کلیہ کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے ہمیشہ اُن خصوصیات میں عمل کرنے سے کہ جہاں وہ کلیہ مطبق ہو۔ اب اگر ہم نے اس کے پہلے کسی خصوصی مصداق کو کلیہ کے نہیں سمجھا تھا یا ہم ضرورت نہ ہوئی تھی اور پھر ضرورت پڑی اور ہم نے کسی خصوصی حکم کا استنباط کیا تو وہ ہمارے لئے ایک نئی چیز تو ہوگی لیکن چونکہ وہ حکم شرعی کے تحت میں ہے لہذا درحقیقت نئی نہیں ہے۔

میں آپ کے سامنے مثال پیش کروں۔ بہت سے اشخاص کہیں گے کہ بالکل نئی چیز ہے جو ہم نے نہیں سنی۔

ہوتے ہیں۔ فرض کیجئے ایک شخص ہر اُس نے عمر میں کبھی سفر نہیں کیا۔ اپنے وطن میں پیدا ہوا، وطن میں اکٹھیں کھولیں، وطن میں پرورش پائی اور پچاس سال کی عمر تک وطن ہی میں رہا! اس لئے ہمیشہ پانچوں وقت پوری نماز پڑھی ماہ صیام میں ہمیشہ روزے رکھے۔ اتفاق کی بات پچاس برس کی عمر کے بعد اُس کو سفر پیش آیا۔ دورِ سفر میں وہ اسی طرح نماز پڑھنے لگا جس طرح پڑھتا تھا یعنی صبح کی دو رکعت۔ ظہر عصر کی چار چار رکعت مغرب عشا کی تین اور چار رکعت۔ قیامت سے ایک اقف شریعت موجود تھا۔ اُس نے پوچھا تم نے کس رکعت نماز پڑھی۔ اُس نے کہا جتنی ہمیشہ پڑھتا تھا۔ اُس نے کہا نہیں اب ظہرین اور عشا کی دو دو رکعت پڑھو۔ اُس نے کہا دو رکعت کیسے پڑھوں؟ کیا شریعت میں تبدیلی ہوگئی ہو؟ شریعت تو ہمیشہ ایک رہتی ہے۔ دو شریعتیں کیسے ہو گئیں۔ ہمارے لئے جو شریعت پیشتر تھی وہ ہی اب بھی ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔ لہذا ہمارے لئے جو چار رکعت نماز پہلے تھی وہی اب بھی ہونا چاہیئے لاکھ اوس کسمحایا جا کر مکر وہ نہیں مانتا۔ کہتا ہے جو شریعت کا حکم ہر اسی پر عمل کروں گا۔ حلال محمد حلال الی یوم القیامۃ و حرام محمد حرام الی یوم القیامۃ۔

پھر حقیقت حال اس صورت میں کیا ہے؟ حکم میں تبدیلی ہوئی یا نہیں ہوئی ضرور ہوئی یعنی روزانہ اسکے لئے لازم تھا کہ چار رکعت نماز پڑھے اور آج دو رکعت نماز ہوگئی۔

حاصل کر چکی کو شیش کھجے۔ پوری فرست شوہر کے مظالم کی ہوائے سامنے بیان کر دی گئی۔ ہم نے
 اظہارِ مہر دی کیا بھیندی نہیں ہیں اور افسوس کیا، اور پھر یہ کہا کہ کچھ لکھی صورت سے طلاق
 حاصل کر چکی کو شیش کھجے یہ ہرگز نہیں کہیں گے اور نہ کہہ سکتے ہیں کہ لڑکی خود طلاق لے لے۔
 کیونکہ یہ لے لے آخر کوئی حق ہی تو ہو لیکن اگر آپ شرع کے کلیات پر غائر نظر ڈالتے تو آپ کے لڑکی عملی
 طور پر ایسا حل معلوم ہو جائے گا کہ شوہر پر بے اعتدالی کی صورت میں زوجہ کے لئے حق طلاق
 حاصل کیا جاسکے اور پھر شوہر کو اس کے سلب کر لینا اختیار نہ ہو۔ یہ صورت نئی ضرور ہوگی
 مگر چونکہ وہ شرع کے تعلیمات ہی سے ماخوذ ہے اس لئے زندہ شریعت کے دوام و بقا کے خلاف
 ہے نہ اس کی جامعیت کے منافی۔

یہ اور بات ہے کہ گذشتہ واقعہ شدہ کا حل میں ہم اس شریعت کے حل سے فائدہ نہ
 اٹھا سکیں لیکن یہ ہماری نادرا حقیقت ہے اور ہماری غفلت اگر موقع عقد پر زوجہ کو قبل
 طلاق ہو جائے شوہر کی طرف سے ان حالات میں کہ جب طلاق کی ضرورت ہو اور یہ نکاحات اصل
 صیغہ عقد میں داخل کر دیجائے خواہ اسی عقد نکاح میں کیسی رو کے عقد لازم میں تو اب
 جس وقت ہی تم کے حالات دہنا ہوں زوجہ کو حق ہوگا کہ وہ شوہر کی طرف سے خود یا جس کیلئے
 نکاحات طلاق حاصل ہوئی ہو اس کے ذریعے طلاق واقع کرانے۔

وکالت بجاے خود قابلِ سوخی چیر ہے لیکن جبکہ وہ عقد لازم کے ضمن میں ہوگی تو
 اس کا نسخہ کرنا بھی شوہر کو ممکن ہوگا۔ یہ صورت کیا شریعت اسلام کے اصول و مقررہ قواعد
 ہی؟ ہرگز نہیں کیونکہ طلاق دینے والا درحقیقت ہوکل ہی ہے۔ یہ نہیں ہوگا کہ زوجہ کو حق

شریعت میں عام طور پر یہ حکم ہے کہ طلاق کا اختیار شوہر کے ہر۔ یہ حکم صحیح
پر مبنی ہوا اور اس وقت عمل نہیں ہوگا کہ اس کی تشریح کی جائے بہر حال اس میں
کلام نہیں ہوگا طلاق کا حق زوجہ کو نہیں ہے بعض لوگ غلط فہمی سے سمجھتے ہیں کہ خلع
میں طلاق زوجہ کی جانب سے ہوتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ خلع میں بھی طلاق دینے
وہ ہوتا ہے یہ اعدائے کہ خواہش اسکی عورت کی طرف سے ہو اور معاوضہ کے شمار ہو
اس پر کامان کیا جائے۔

پھر کیا ایسی صورت بھی ہوگا طلاق کا حق زوجہ کا اختیار میں آجائے آپ
فرمائیں گے نہیں بہت اچھا نہیں لیکن اکثر دیکھا گیا کہ اس کی وجہ سے مشکلات پیدا ہوتے ہیں
بھی ایسا ہوتا ہے کہ زوجہ طاعت گزار اور شوہر اذیارساں وہ نان و نفقہ نہیں دیتا
پھر کھڑا جاتا ہے خبر گیری نہیں کرتا جب اس سے طلاق کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ
فقط تنہ کے لئے اور پریشان کرنے کے لئے طلاق نہیں دیتا۔ اس کا سبب بھی
یہ ہوتا ہے کہ طلاق کو میووب بھلایا گیا ہے لیکن درحقیقت میووب تو وہ حالات میں
عین کا نتیجہ طلاق ہوتا ہے اور اس لئے کہا گیا ہے بعض الحلال عند اللہ الطلاق
لیکن عام طرز معاشرت میں ان حالات کو میووب میں سمجھتے۔ مگر طلاق کو میووب سمجھتے
ہیں اس لئے طلاق نہیں دیتے۔ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے لڑکی کے لئے
کوئی طریقہ چھپکایا ہے کا نہیں قرار دیا کیا اچھا ہوتا کہ ان صورتوں میں سوا کی بجائے
طلاق ایسا کام کی زندگی بسر کرتی ہم سے آکر پوچھتے تو ہم بھی کہیں گے کہ طلاق

ایران میں بھی ہوئے ہیں۔

مگر یہاں شکل تو یہ ہو کر نکاح کے وقت میں طلاق کا نام آیا اور شہرگوئی پیدا ہو گئی
حالانکہ اسلام میں شہرگوئی کوئی چیز نہیں ہے، یہ آپکی زندگی دو کے اقوام کیسے مخلوط ہو کر شہرگوئی
میں گھس گئی ہے۔ ورنہ آپکا اسلام شہرگوئی کی تعلیم نہیں دیتا یہ جہالت کے اقوال تھے کہ حضرت
سوی سے کہا جاتا تھا انا نظرتنا باک "تم کو ہم بزرگوں سمجھتے ہیں۔"

اسلام میں تفاوت "ہر جس کے معنی میں شگون نیک صل کرنا، نیک زندگی کے اقدامات میں
سکون، اطمینان پیدا کرنا ہے۔ شہرگوئی نہیں ہے جو حیا انسانی کے سکون میں اضطراب و تشویش پیدا کرے
بہر حال جب شوہر کی بے اعتدالیوں کا اندیشہ ہو تو اس کا یہ حل موجود ہے مگر غلطی سے
ابتک اس صورت کو نہیں اختیار کیا گیا تو یہ اپنی غلطی تھی اس سے اسلام کی جامعیت پر حرف
کیوں لایا جائے شریعت اسلامیہ اندر یقیناً ہزاروں انقلابات کیسے چلنے کی صلاحیت ہے
جائے حالات زندگی میں لاکھوں تغیرات و اصلاحات ہو سکتے ہیں ہزاروں تجدیدیں پہلا
ہو سکتی ہیں جو شریعت کے حدود میں ہوں اور اس سے خارج نہوں۔

پھر تجدید کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ شریعت کے خلاف ہے جس طرح قدامت
کی ہر رسم ضروری نہیں کہ مفاد عام کے خلاف ہی ہو، اس لئے ضروری ہے کہ قدیم و جدید
میں موازنہ کر لیا جائے۔ اس کے بعد جو قدم اٹھایا جائے وہ اصلاحی قدم ہو گا ورنہ
تخریب قرار پائیگا اور "فساد فی الارض" کا مصداق۔

طلاق حاصل ہو گیا ہو۔ طلاق اسی کی جانب سے عمل میں آیا جسے شرع نے طلاق کا اختیار
 دیا ہے۔ اگر کسی وکالت کو ظاہر ہے کہ شوہر ایک اجنبی انسان کو وکیل طلاق بنا دیتا ہے تو وہ
 صیغہ طلاق کا اجرا کر لیتا ہے یا نہیں پھر اگر زوجہ بحیثیت وکیل اس صیغہ طلاق کا اجرا
 کرے تو کیا ہوا؟ صورت مذکورہ بالکل اصول شریعت کے مطابق ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جب تک
 اس پر عمل درآمد نہیں رہا اگر اب ضرورت محسوس ہو تو اس کا اجرا کیا جاسکتا ہے۔

بہر حال یہ نہ کہے کہ شریعت ہلامیہ ناقص ہے۔ ہرگز نہیں وہ کامل ہے اس میں ضرورت
 زندگی کے لحاظ سے احکام موجود ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ہم انبی نادان قنیت کی وجہ بعض
 احکام سے فائدہ نہ اٹھائیں یا یہ کہ کسی حکم خاص پر عمل کرنے کی انہی ضرورت محسوس نہ ہوئی ہو
 اب اگر ضرورت محسوس ہو تو اس پر عمل ہو سکتا ہے عراق میں ایسے عقد ہوتے ہیں

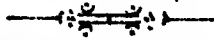
۱۔ یزید کہ کہیں عورتیں اس سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں اور جو درماں تجویز کیا جا رہا ہو مستقل
 آزار نہ بن جائے اس کے متعلق مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ جو حق وکالت عطا کرنا مردوں کے اختیار سے
 تعلق رکھتا ہے تو کیوں وہ حق وکالت مطلق طریقہ پر عطا کریں بلکہ اس صورت سے مشروط عطا کریں
 کہ اگر مثلاً وہ ایک طویل عرصہ تک غائب ہو جائیں یا اپنی زندگی میں ان دنوں عطا کر دیں تو زوجہ وکیل
 طلاق ہوگی اس صورت میں زوجہ کو مطلقاً حق طلاق نہ ہوگا اور جو درماں تجویز کیا جا رہا ہے وہ
 درماں ہی رہے گا مستقل آزار نہ بن سکے گا نیز جبکہ اس حق کا ادا کیا جانا مرد کے عقل و تدبیر اور
 اختیار کے ماتحت ہے تو وہ اس مفاد صنفی کے خلاف بھی نہ ہوگا جس کے لحاظ سے شاید یہ حق مرد
 کے لئے قرار دیا ہے۔ (ارشادات حضرت سید العلامہ امجدہ فرماں لکھو ۹ صفر ۱۳۵۶ھ)

ومن الناس من يعجبك قوله في الحياة الدنيا ويشهد الله على ما في
 قلبه وهو اذ انصاع واذا تولى سعى في الارض ليفسد فيها ويهلك الحرث
 والنسل والله لا يحب الفساد واذا قيل له اتق الله اخذت العزة بلاك ثم
 فحسب محنتهم وليلئلا يلهوا -

(یعنی) کچھ لوگ ایسے بھی ہیں دنیا میں جن کی باتیں اس زندگی کے دور میں تم کو
 بہت خوشنا معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنے حسن نیت اور ضمیر کی سچائی پر خدا کو گواہ بھی
 کرتے رہتے ہیں حالانکہ وہ سخت ترین بدخواہ، نفع انسانی کے دشمن ہیں۔ انہوں نے
 اور تمہاری طرح سے منہ پٹور اور بس کوشش شروع کر دی کہ زمین میں فساد پیدا ہو
 اور مالی و جانی نقصان ہوں اور خدا کو پسند نہیں کہ تاجبالیہ شخص سے کہا جاتا ہے
 کہ خدا کا خوف کرو تو اسے اپنے گناہ پر (شرم کے بجائے) امانیت دامنگیر ہوتی ہے
 لہذا اسکے لئے سچ جنم کافی ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

بے شک فسدین کا طرز عمل یہی ہے۔ دل میں فساد کے ارادے اور زبان سے
 صلح کے دعویٰ۔ بدخواہی خلق کی نیتیں اور مہر دی و خیر خواہی کے اظہار۔ اب
 چونکہ نیت کا معیار ہر اس لئے دنیا کے اندر اس عمل کی پروردہ کی شکل ہے دنیا میں
 اس گناہ کا بد چاک ہونا دشوار ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ جہاں نیتوں کا حساب
 ہو گا وہاں سمجھ لیا جائیگا۔ دنیا جہاں حیثیت کے خدا کے سامنے حاضر ہونے سے ظہر
 اور خدا کے لئے اس کا جلال و جبروت اور کمال ذاتی اس دنیا کے سامنے آنے سے

مصلحین عالم پر فساد فی الارض کا الزام



صلاح و فساد باعتبار ظاہری صورتوں کے تقریباً ایک دوسرے سے ملتے جلتے
ہے طرز عمل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ یہ صورت عمل جو ایک مفسد کی ہوتی ہے وہی ایک مصلح
کی۔ وہ بھی ایک عمارت کو خراب کرتا ہے۔ دوسری عمارت اُس کے بجائے قائم کرتا ہے۔
یہ بھی ایسا ہی کرتا ہے۔

اس بنا پر ذرا نگاہ کسی دعوت دینے والے کے طرز عمل کو دیکھ کر اکثر اوقات دھوکا
کھا جاتی ہے اور فساد کو مصلح سمجھ لیتی ہے یا مصلح پر مفسد ہو نیکا دھوکا ہوتا ہے اور کبھی
انسانی داغ تردد میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ ہم اُس بچانے والے کی آواز پر مصلح سمجھ کر
لبیک کہیں یا مفسد سمجھ کر اُس سے کنارہ کشی کریں۔

مصلحین کی آواز کو مفسدین کی طرف ہمیشہ یہ کہہ کر دمانے کی کوشش لگاتی
کہ یہ مفسد ہیں اور مفسدین اپنے مقصد کو ہمیشہ یہ کہہ کر پورے دے کہ ہم مصلح ہیں
اس کے متعلق تصور کا ایک نسخہ قرآنی آیت پہلے پیش ہو چکا ہے کہ مفسدین
مصلح ہونے کے دعویدار بنتے ہیں اذ اقل لهم لا تفسدوا فی الارض قالوا
انتما فتن مصلحون۔

دوسری جگہ اس تصویر کے خاکہ میں پورا رنگ بھر گیا ہے اس طرح۔

گئے تھے مگر اس مصالح حقیقی پر الزام کیا عائد کیا جاتا ہے ؟

وقال الملائم قوم فرعون اتذر موسى وقومه ليفسدوا في الارض
ويذرك والهمات قال سنقتلك بئاء هم ونسجى نساءهم وانا فوقهم
قاهران (اعراف ۹)

”فرعون کی جماعت والوں نے کہا فرعون سے کہ کیا تم موسیٰ اور انکی قوم کو
چھوڑ دو گے کہ وہ زمین میں فساد کریں اور تم کو بادرتھارے معبودوں سے کنارہ کشی
اختیار کریں فرعون نے کہا یہ کیا شکل ہے۔ ہم انکے بچوں کو قتل کر ڈالیں گے
اور ان کی عورتوں کو زندہ قید کر لیں گے اور ہم لوگ تو ان پر پورا قابو رکھتے ہیں۔“
ملاحظہ کیا اپنے ؟ موسیٰ اور ان کے متبعین پر فرعون والوں کی جانب سے
کیا الزام عائد کیا گیا ؟

(الیفسد و فی الارض) زمین خدا میں فساد پیدا کرنا اب اسکے خلاف وہ
کہ جس نے موسیٰ کو اصلاح کا عہدہ تفویض کر کے بھیجا ہر وہ اس حقیقت کی پرکشانہ
کس طرح کرے ؟ اگر وہ اسکے مقابلہ میں صاف یہ کہے کہ مفسد خود فرعون اور اسکی قوم
ہے تو اس سے کیا ہوا۔ ایک طرف خدا اور ایک طرف فرعون۔ یہ اسکے والوں کو
کہہ رہا مفسد وہ اس کو اور اسکی جماعت والوں کو بتا رہا مفسد۔ تو اس میں
لطف کیا ہوا مگر چونکہ فرعون اور اس کی قوم کی طرف سے یہ کہا گیا تھا کہ موسیٰ اور ان کی
قوم مفسد اس لئے خدا نے تعزین کے سیرا یہ میں جواب دیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

مانع اس لئے یہاں آسان **فرمان** اہ کر دیا جائے لیکن اس کو ابھی کی تصدیق
کیونکر ہو۔ نتیجہ اس کا آخرت میں جو ظاہر ہونا ہر وہ ہوگا۔ ہاں جہنم ہی سہی لیکن
یہاں تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ یہاں تو بہت سے لوگوں کو دعوتِ اصلاح کے
بہانے سے اپنے راستے پر لگا لیا اور دنیا کو اپنا گرویدہ بنا کر اپنا کام نکالا۔

اب ہر طرح کے مصلحین پر مفسدوں کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اسکے کبھی نقشے
آپ کو قرآن میں نظر آئیں گے۔ کفار کی جانب سے انبیاء و مرسلین پر ہی جرم عائد کیا جاتا
تھا کہ یہ مفسدہ پرداز ہیں اسلئے ان کو فٹان کرنا چاہیئے انکی آوازوں کو سننا نہ چاہئے
جب کچھ کہنا چاہیں تو لوگ کانوں میں انگلیاں نہ لیں۔ یہ اہتمام کس بنا پر تھا
اس لئے تھا کہ وہ انھیں مفسد قرار دیتے تھے۔ کہتے تھے کہ یہ باتیں خرابی پیدا
کرنے والی ہیں اسلئے ان کو سنا ہی نہ جائے ان اشخاص کی آواز جہاں تک
ممکن ہو دبا دی جائے اور ان کو اپنے دل کی بات زبان پر لانے کا موقع ہی نہ دیا جائے
خیال تو فرمائیے موسیٰ فرعون کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوئے تھے اور
فرعون کی اتنی کشتی، خساد فی الارض کا وہ درجہ جس کی نظیر تاریخ میں ملنا مشکل
یعنی وہ مظالم جو فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل پر کئے جاتے تھے اس و ترہذب
میں خیال میں نہیں آتے۔ عورتوں کے شکم چاک کرنا۔ بچوں کو مار ڈالنا اور کیڑے
اسیر کرنا۔ بنی اسرائیل کو اچھوت سمجھنا اور تمام حقوق انسانیت سے ان کو محروم
کر دینا۔ کیا اس سے بڑھ کر فساد فی الارض ہو سکتا ہو اور موسیٰ یقیناً مصلح بنا کر بھیجے

مَجْتَمِعُ السَّحْوَانِ اَللّٰهُمَّ سَيِّدُ الْمَلَائِكَةِ اَصْلَحْ عَمَلِ الْمَفْسُودِيْنَ .

یہ نہیں کہہ کر کون مفسد مگر یہاں برہان عقلی حقیقت معجزہ پر قائم کر دیا اور سحر کے
بطل ہونے کو ظاہر کر دیا اور اس طرح ثابت کر دیا کہ مفسد کون ہے۔

حقیقت معجزہ پر ضمنی بحث

دیکھنے میں سحر اور معجزہ دونوں ایک ہی نوعیت کی چیزیں ہیں۔ وہاں بھی غیر معمولی
باتوں کا دکھانا ہے اور معجزہ بھی غیر معمولی امور توں کا پیش کرنا ہے لیکن درحقیقت معجزہ اور
ساحری میں فرق باعتبار روح، باعتبار حقیقت اور باعتبار وجہ ہے۔ یہیں دونوں غیر معمولی
چیزیں لیکن ساحری کیسا تھ کوئی دعویٰ ایسا شریک نہیں ہوتا جس کی ذمہ داری خواہ
عائد ہوتی ہو اور اعجاز میں غیر معمولی مظاہروں کے علاوہ کوئی ایسا دعویٰ شریک نہ ہو تاکہ
دنیا میں مختلف طرح کے کام ہوتے ہیں کچھ معمولی کچھ غیر معمولی خدا کو
کیا لازم ہے کہ وہ ہمیشہ ان کاموں میں ناکامی ہی پیدا کرے تاکہ سحر بھی عالم ساجد

عہ دور ان بیانات میں بعض تعلیم یافتہ صحاب کی طرف سے اس مسئلہ پر کسی حد تک تبصرہ کرنے کی
خواہش کی گئی تھی اسلئے ضمنی بحث جو درحقیقت موضوع سے خارج ہے ایک معمولی مناسب کتبہ
پیش کی گئی مسئلہ معجزہ ایک مستقل بحث پر ضمنی حقیقت روشنی ڈالنے میں اس کے عام گوشے
سیراب کہان ہو سکتے ہیں۔ بہر حال میں اس موضوع پر تفسیر قرآن کے تمہیدی مقدمہ میں جو اس
محقق کے سال دل میں شایع ہوئے ہیں بہت کچھ لکھ چکا ہوں لیکن جو گوشے یہاں اٹکے ہیں ان

نزدیک بحث لکھ چکے ہوں (دار شادات سید العلماء و مندرجہ مرزا و صفحہ ۲۵۶ تا ۲۵۷)

ثم بعثنا من بعدهم موسىٰ باياتنا الىٰ فرعون وملأه ظملا واما فانظر كيف

كان عاقبة المفسدين (اعران ۳)

ہم نے موسیٰ کو بھیجا اپنی نشانیوں کیسے فرعون اور اس کی جماعت کے پاس مگر ان لوگوں نے
ہماری نشانیوں کیساتھ ظلم کیا۔ اب تم خود دیکھو کہ مفسد جو تھے ان کا انجام کیا ہوا۔
یاد رکھنا چاہیے کہ گالی کے مقابلہ میں گالی دنیا کوئی لطف کی بات نہیں لیکن حقیقت کا
اظہار بھی ضروری ہے۔ خدا کو اپنے پیغمبر کو بری کرنا تھا اس پر مفسد ہو نیکیا جو الزام لگایا گیا تھا
اس کا دفعیہ کرنا تھا جس کے مختلف طریقے اختیار کئے گئے۔ ایک دوسرے موقع پر جب نبی
اور سحران فرعون میں مقابلہ ہوا ہر ارشاد ہوتا ہے :

فلما القوا قال موسىٰ ما جئکم بالسحرات اللہ سید بطہ ان اللہ لا یصلح
عمل المفسدین۔ جب سحر و سحر اپنی رسیاں پھنکیں موسیٰ نے کہا یہ جو تم نے ظاہر کیا یہ
سحر و ضد اسے ابھی ابھی باطل کر دیکھا۔ خدا بھی مفسدین کے کام کو سرسبز نہیں بناتا۔
معلوم ہوتا ہے کہ مفسد کی لفظ کھٹک ہی ہے جس کا استعمال موسیٰ کے بارے میں
کیا گیا تھا اور مختلف طریقوں سے اس کا جواب یا جا رہا ہے۔

میں کہہ چکا اور کچھ کہتا ہوں کہ کبھی اس میں لطف نہیں ہے کہ کوئی اس کے ناکو طبع
کلمہ کوئی کہے تو آپ اس کلمہ کو اس کی طرف پٹا دیجئے نہیں سوقت سکوت کیجئے اور
سچ بولیں دہران سے ثابت کر دیجئے کہ اس کلمہ کا مصداق کون ہے ؟
"مفسد کی لفظ موسیٰ کی نسبت گئی تھی اب برابر مختلف طریقوں سے بتلایا جا رہا ہے کہ مفسد

اس کا تب کو اپنے اس نتیجہ عمل پر کچھ بھروسہ بھی ہو اور وہ دنیا کو دعوت بھی دے سکے
 کہ اگر کوئی میرا مقابل ہو تو اسکے مثل بنا کر پیش کرے۔ یہ دعوت کو حق تھا اپنی
 گلستان پر ادعا کے کمال کر نیکا۔ یا قوت مستغصی کو حق تھا اپنے کتبوں پر دعوائے
 بے مثالی کرنے کا۔ میرا نہیں کو اپنے مرثیہ کے اوپر ادعا کے بے نظیری کر نیکا مختلف
 اس قسم کے کارناماں ہوتے ہیں اور ان کی مثال دنیا میں پیش نہیں ہوتی لیکن کیا
 ضرورت خدا کو کہ وہ ان میں سے ہر ایک کے دعوے کو غلط ثابت کرے اس لئے کہ
 بہر حال اگر نتیجہ کمال ہو تو اس کے ایک مخلوق کا وہ طاقتیں جن سے یہ کمال ظاہر
 ہوا اسکی پیدا کی ہوئی ہیں۔ وہ قوتیں جو کارفرما ہیں وہ خالق کی دی ہوئی وہ اگر
 کسی کو پیدا کرے جو اس کے دعوے کمال کو باطل کر دے تو پھر ضرورت ہے کہ اسکی مثالی
 باطل کرنے کے لئے ایک دوسرا پیدا کیا جائے اور پھر اسکے لئے تیسرا پھر یہ سلسلہ
 ختم تو ہو ہی گا کیونکہ دنیا کا نظام متناہی ہے۔ غیر محدود نہیں ہر اہل آخروں جو ہو گا
 اس کا دعویٰ لا جواب ہی رہے گا۔

پھر خدا کو کیا ضرورت کہ وہ اس جھگڑے میں ڈپے اور ہر ایک کے دعوے کو
 باطل کرے۔ لہذا ہر زمانہ میں ایسی قابلیت کے اشخاص پیدا ہو سکتے ہیں جیسی
 تالیبتیں ان کے غیر میں مفقود ہیں۔

ایک شاعر ایسا شعر کہہ سکتا ہے جس کے مثل کوئی اور نہیں کہہ سکتا گا ایسا کتبہ
 لکھ سکتا ہے جس کی نظیر دنیا میں نہیں مل سکتی۔

تحت ہر دنیا میں ہر قسم کے اسباب کا فرما ہیں۔ وہ سب اسباب خدا ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ ان اسباب میں کچھ وہ ہیں جو ہم کو معلوم ہیں۔ کچھ ہم کو نہیں معلوم ہیں۔ جو ہم کو معلوم ہیں وہ ہمارے لئے معمولی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ اسباب جو خاص خاص لوگوں کو معلوم ہوتے ہیں وہ غیر معمولی حیثیت رکھتے ہیں۔ مگر یہ نہیں ہرگز کہ کوئی اثر بغیر مؤثر و مفعول ہو جائے۔ سچو سچو ہے وہ بھی عالم طبیعات کے حدود کے اندر ہی۔ وہ بھی عالم کون و فساد اور نظام اسباب کے سلسلہ کے تحت ہے۔ اس لئے جب ہم کہتے ہیں غیر معمولی چیز ہے یا خارق عادت ہے تو خارق اس بنا پر کہتے ہیں کہ وہ اس عام دستور کے خلاف ہے جو ہمارے آنکھوں کے سامنے قائم ہے ورنہ اگر بلا اسباب ہوتا تو ہم خارق عادت نہ کہتے خارق عقل کہتے۔

اکثر عام اسباب کے سلسلہ میں نتائج ایسے غیر معمولی ہو جاتے ہیں جن کو دنیا میں خیال کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔

ایک طبیب بعض اوقات ایسے مریضوں کو اچھا کر دیتا ہے جن کا اچھا ہونا اس کے قبل دنیا نے نہیں دیکھا تھا۔ ایک انشا پرداز، بسا اوقات ایسی تحریریں اس کے قلم سے نکل جاتی ہے جس کی نظیر اس سے پہلے آنکھوں کے سامنے نہیں آئی تھی۔ ایک شاعر، بسا اوقات اس کی طبیعت سے ایسا شعر نکلتا ہے جو جیسا شعر اس کے قبل نہیں ہوا۔ ایک کاتب بسا اوقات اس کے ہاتھ سے ایسے نقوش نکلتے ہیں جن کے مثل کتبہ پہلے آنکھوں نے نہیں دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس طبیب کو۔ اس انشا پرداز کو۔ اس شاعر کو۔

چھاپہ خانہ کے وجود کی دلیل ہے۔ ہاں وہ اجزا جن کے ذریعے سے چھاپہ دہ طاقتیں جو اس میں کاغذ یا ہوتیں وہ دلیل ہیں وجود خدا کی کیونکہ ان پر غیر خدا قادر نہیں ہے معلوم ہوا کہ وہ آثار جن پر وہ مخصوص حیثیت سے قدرت نہیں رکھتا بلکہ دنیا کے لوگ بھی اقتدار رکھتے ہیں وہ آثار دلیل وجود خدا کی نہیں بن سکتے۔

باہم تعلیم یافتہ طبقہ سے کہتا ہوں۔ میرے ان الفاظ پر پھر غور کیجئے کہ خدا کے وجود کو کیونکر پہچانا؟ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ایک تباری تو خدا کا نام ہی نہیں کیونکہ وہ جو خدا کو نہیں مانتا اس سے میں معجزہ کی بحث کروں گا کیوں؟ معجزہ کا سوا جو پیدا ہوتا ہے وہ تو جب تک خدا کا وجود پہلے ثابت ہو چکا ہو۔ چنانچہ بحث معجزہ کی ہر اس لئے میں خدا کے وجود کو اس طرح سے بتلا رہا ہوں کہ یاد تسلیم شدہ ہے۔ اس مادی سے میں گفتگو کروں گا خدا کے وجود میں معجزہ کی بحث میں ہر حال اس سوال کی تباہ کنش نہیں ہے۔ خدا تو تسلیم ہو ہی چکا، اسلئے یہ پوچھتا ہوں کہ خدا کو کیونکر مانتا ہے؟ آثار کے ذریعے۔

آثار اگر وہ ہوتے جو خدا اور غیر خدا میں مشترکہ حیثیت رکھتے یعنی خدا بھی ان آثار پر قدرت رکھتا اور غیر خدا بھی تو یہ آثار کیسے دلیل ہوتے وجود خدا کی؟ نہ ہوتے۔ تو خدا کے وجود کی دلیل وہ آثار بن سکتے ہیں جو خصوصیت رکھتے ہوں خدا کے ساتھ یعنی جن پر غیر خدا قادر نہیں ہے۔

اب مجھے پہچانا ہر خدا کے پیغمبر خدا کی طرح کے سفیر کو۔ جب خدا کو خود اسے

یہ سب ٹھیک ہے اسلئے کہ اس کے ساتھ کوئی دعویٰ شریک نہیں ہے جو خدا پر
ذمہ داری عائد کرے لہذا خدا پر فرض نہیں ہے لیکن یاد رکھئے کہ اگر ان میں سے
کوئی ایک اپنے نتیجہ کارگزاری کو یہ کہہ کر پیش کرے کہ خدا نے مجھے کسی عہدہ پر مقرر
کر کے بھیجا ہے اور یہ اس کا ثبوت ہے۔ اور یہ جھوٹا ہوتا تو خدا پر لازم ہے کہ وہ کسی کو اتنی
قوت عطا کر دے جو اس کے خلاف مظاہرہ کر کے اس کے دعوے کو باطل کرے،
ورنہ ان دیکھا خدا جو بغیر اپنے آثار قدرت کے خود نہ پہچانا جاسکا اس کے سقبر کو
ہم بغیر آثار کے کیسے پہچانیں؟

جب خدا کی الوہیت آثار کی محتاج ہو۔ الوہیت محتاج نہیں ہوتی
یعنی ہمارا پہچانا اس الوہیت کو محتاج ہے آثار کی جانب۔ وہ خدا آنکھوں سے
دیکھنے کے لائق نہیں ہے تو اب اس کی طرف سے سفارت کا عہدہ کیونکر تسلیم کیا جا
اگر کسی مادی ہستی کی طرف سے سفارت کا دعویٰ ہوتا اس کے پاس جاکر اس کو
خط لکھ کر تصدیق کرائی جاسکتی تھی کہ ہاں یہ سیرانا منیدہ ہے لیکن یہاں تو ایسا
نہیں ہے جب خدا کی الوہیت کو خود اسے دیکھ کر نہیں جانا تو رسول کی رسالت
اس سے براہ راست دریافت کر کے تو جانی نہیں جاسکتی پھر خدا کو کیونکر پہچانا؟
آثار کے ذریعے سے۔ اب اگر یہ آثار مشترک حیثیت رکھتے یعنی غیر خدا بھی ان پر
قادر ہوتا تو کیا یہ دلیل الوہیت بن سکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔
جیسی ہوئی کتاب اپنے چھپے ہونے کی حیثیت سے خدا کے وجود کی نہیں بلکہ

کہ وہ حقائق پر غور کر سکیں اُن کے لئے ان مادی معجزوں کی کیا ضرورت ؟
 میں کہتا ہوں کہ آپسے کس نے کہا کہ معجزہ بس پیچروں کے لئے اہم تھا کہ شق
 ہونے یا آفتاب کے پلٹنے ہی سے متعلق ہو۔ دیکھئے میرے الفاظ جو میں نے کہے۔ وہ
 آنا مخصوصی جو ایک معجزہ من اللہ کے لئے ہو سکتے ہیں اور دوسرے میں عقلا پائے
 نہیں جاسکتے وہ معجزہ ہیں وہ باعتبار معیار فہم مختلف ہیں۔

وہ ایک بلند مرتبہ فلاسفر کے لئے وہ روز دہرا عقلی ہونگے جو اس کے کلام میں
 ولایت ہیں۔ اس کے اعتبار سے وہی معجزہ ہونگے۔

ایک سطحی نظر والے انسان کے لئے جو حقائق کلام کو نہیں سمجھ سکتا معجزہ ہوا آفتاب
 کا پلٹنا اور مانتا ہوا کا دوسرے ہونا وغیرہ وغیرہ۔

تو یہ نہ کہئے کہ معجزہ کی ضرورت نہیں۔ معجزہ اگر نہ ہو تب تو نبی کی نبوت ثابت
 ہو ہی نہیں سکتی۔ معجزہ کے معنی ہیں چیز جس سے درد سے کر لوگ قاصر ہوں اور بس قائل
 سنگ یزدوں کا بولنا۔ پیچروں کا کلام کرنا اس کو کبھی اسلام نے موقع استدلال
 میں پیش نہیں کیا، بطور اعجاز اپنے لئے دلیل حقانیت نہیں قرار دیا۔ یہ اور بات ہے
 کہ کسی خاص وقت کوئی جماعت یہی چاہتی ہو تو اس کے لئے پیش کر دیا۔ کوئی خاص
 طبقہ ہو وہ یہ کہتا ہو کہ جب تک سنگ یزدے نہ بولیں گے ہم ایمان نہ لائینگے اُن کے لئے وہ
 ہوا۔ کوئی ایسی جماعت ہو جو یہ کہتی ہو کہ اس وقت تک ہم نہیں سمجھیں گے جب تک کہ
 چاند کے دھڑکے نہ ہوں لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ ہمارے ایمان کا دار و مدار ان معجزات پر نہیں

دیکھ کر نہیں پہچانا تو سفیر کی سفارت کو خود بھیجے والے سے پوچھ کر تو سمجھ نہیں سکتا
 وہ کیا دعویٰ تو بہت سے دعویدار جھوٹے بھی ہوتے ہیں۔ کتنے مدعی رسالت کئے
 کیا سب صحیح ہی کہتے تھے تو معلوم ہوا کہ مدعی کا دعویٰ اس باب میں کردہ خدا کی
 طرح بھیجا ہوا ہے ضروری نہیں ہر کہ درست ہو۔ پھر جب بھیجے والے تک ماری
 رسائی نہیں۔ بھیجے جانے والے کا دعویٰ مفید نہیں تو اب بتلائیے کہ کیونکر سمجھیں
 خدا جس طرح غیر مادی تھا اسی طرح یہ مادی انسان اُس رشتہ کے لحاظ سے جس کا غیر مادی
 ہستی کے ساتھ ادعا کر رہا ہو مادی حدود سے بلند ہو گیا ہو۔ اسلئے ماننا پڑے گا کہ جس طرح
 اُس غیر مادی ہستی کو پہچانا اسی ذریعے سے اُس غیر مادی ہستی کیساتھ تعلق کو پہچانیں
 اُس کو ہم نے پہچانا تھا آثار کے ذریعے سے۔ اس کو بھی آثار کے ذریعے سے سمجھیں۔ ہاں
 ہم نے کہا تھا اگر آثار مشترک ہوتے جن پر خدا اور غیر خدا دونوں قدرت رکھتے ہیں
 تو حوالہ کے وجود کی دلیل نہیں بن سکتے تھے۔ اسی طرح آثار جو اس عہدہ اور منصب
 کی دلیل بن سکتے ہیں وہ وہی ہیں جو مخصوص ہوں۔

مخصوص کیا معنی؟ یعنی جو سوائے مبعوث من اللہ کے دوسرے شخص میں
 عقلاً پائے نہ جاسکیں۔ اسی کو کہتے ہیں ”معجزہ“۔

آشروں اس معجزہ کے معنی صرف ”مادی“ کے سمجھ لئے ہیں۔ مانتا کا شوق ہونا
 معجزہ ہے۔ آفتاب کا پلٹنا معجزہ ہے سنگریزوں کا تسبیح کہنا معجزہ ہے۔ بس یہی معجزہ
 ہیں۔ اسلئے یہ جماعت اکثر کہتی ہے کہ جو لوگ اپنے عقول کے اعتبار سے اتنے ترقی یافتہ ہو

کے معجزات نبوت کا استدلال ہمیں پیش کیجیے۔ ہمیں نہیں ہر ہی ان نبوت ایک دور
 اور زمانہ کیساتھ محدود نہیں تھی! اس لئے اس کو ایسے معجزات کیساتھ وابستہ نہیں
 کیا جاسکتا تھا جو محدود حیثیت رکھتے ہوں۔ ایسی نبوت جو غیر محدود حیثیت رکھتی ہو
 اور غیر محدود ایسی کلاس میں مختلف طبقات مختلف طبقات اور مختلف خیالات کے افراد
 پیدا ہونے والے ہوں۔ عالم انسانی کے مراتب بلند ہونے والے ہوں اس کے لئے معجزہ
 ایسا ہونا چاہیے تھا جو ہر حیثیت سے معجزہ ہو۔ ظاہری اعتبار سے سطحی نظر رکھنے والوں
 کے لئے معجزہ۔ لفظ کے لحاظ سے اہل لفظ کے لئے معجزہ معنی کے لحاظ سے اہل معنی کے
 لئے تحقیقی نظر رکھنے والوں کے لئے معجزہ۔ اہل سائنس کے لئے معجزہ۔ اہل حکمت کے لئے
 معجزہ۔ دنیا بھر کے لئے معجزہ۔

یہ قرآن ہے۔ یہ درحقیقت ایک معجزہ نہیں ہر رسول کا بلکہ جتنے لوگ نبیاں
 ہیں اور جس طرح کے معجزہ کے طالب ہیں ہر ایک کے اعتبار سے اسی لحاظ سے معجزہ ہے۔
 تو معجزہ کے معنی درحقیقت عام آنکھوں میں محدود ہو گئے ہیں۔ معجزہ کے معنی یہ سمجھ
 لئے گئے ہیں کہ آدمی اشیاء میں انقلاب، یہی بس معجزہ ہے۔ اس لئے یہ کہتے ہیں کہ اس
 معجزہ کی ضرورت کیا ہو ان لوگوں کے لئے جو آدمی اشیاء کے تغیرات کو کچھ سمجھتے نہیں
 اگر درحقیقت معجزہ وہ نہیں ہے۔ معجزہ وہ دلیل ہے جو خصوصیت کے ساتھ کسی رسول کی
 رسالت کو ثبوت دے۔

اب اگر دلیل ایسی ہو جو مدعا کی حیثیت رکھتی ہو جو علمی حیثیت رکھتی ہو تو وہ

ہی لے میں کہتا ہوں کہ دنیا کی تمام باتیں وابستہ تھیں اُن معجزات کے ساتھ جو حدود زمانہ کیساتھ وابستہ تھے اور جو اُس زمانہ کیساتھ رخصت ہو گئے۔ میں نے مانا کہ عیسیٰ نے مرے زندہ کئے مگر جنہوں نے دیکھا ہوگا اُن کے لئے معجزہ ہو گئے، میں نے تسلیم کیا کہ وہ مٹی کا پرند بناتے تھے اُن میں روح پھونکتے تھے اور وہ اُڑ جاتا تھا۔ مگر یہ معجزہ انہی کے لئے تھا جو عین موقع پر موجود ہوتے تھے۔

میں نے مانا کہ یہ معجزات تھے مگر اُن کے لئے جن پر انکا اثر پڑ سکتا تھا جن کیلئے وہ حدودِ نبوت میں آئے تھے اور قطعی تھے اُن کے لئے دلیلِ نبوت تھے مگر بعد والوں کے لئے تو وہ حدودِ روایت میں داخل ہو گئے۔ اور روایت کا یہ حال ہے کہ ہر پیشوا کی ماننے والی جماعت میں اس قسم کے روایات اپنے پیشوا کے متعلق موجود ہوتے ہیں تو پھر ان روایات میں کیسے سمجھا جاسکتا ہے کہ کون روایتیں غلط اور کون صحیح۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اُس جہد کے جانے کے ساتھ، اُن دیکھنے والوں کی نسل کے رخصت ہونے کے ساتھ معجزے رخصت ہو گئے۔ اب تو اُن کے لئے کوئی بھی دلیلِ نبوت موجود نہیں ہے۔

یعنی عیسائی یہودیوں سے تسلیم نہیں کر سکتے کہ عیسیٰ کی نبوت حق تھی۔ ہم سوالیں گے کیونکہ ہمارے قرآن نے تصدیق کر دی ہے مگر یہودیوں سے تسلیم کرالیں غیر ممکن اُن کے ساتھ کوئی دلیل نہیں ہے۔

اور پہلے رسول کی نبوت، دوسرا طرح کے وقتی معجزات پر مبنی نہیں ہے۔

تھادی 'ٹروپوں کا سانپ بن جانا وہ بھی حیرت انگیز اور میرے عصا کا اُردا بننا یہ بھی حیرت انگیز
 منکر و دیکھو ابھی فیصلہ ہوا جانا ہے کہ ان میں حق کون ہے اور باطل کون یہ معیار یہ ہے کہ جسے
 خدا برقرار رکھے نہ وہ حق ہے اور جس کے اثر کو مٹائے وہ باطل ہے معلوم ہو گا کہ سحر و غلط دعویٰ
 کی اشاعت کتنا نوالا مفسد ہے اور خدا مفسدین کی حمایت نہیں کرتا۔

— . . . —

دیکھو وہ الزام جو ہولی پر لگا یا گیا تھا کہ یہ مفسد ہیں اس کا جواب کہ وہ ہیں براہِ کمال
 ذریعہ سے دیا جا رہا ہے۔ "تم نے ہم کو مفسد کہا اور اپنے دل کو خوش کر لیا لیکن آج دیکھو کہ
 کون مصلح اور کون مفسد ملاحظہ فرمائیں اللہ سیبطلہ یہ جو تم نے کرتب دکھائے ہیں
 یہ تو بادِ بزمِ ابھی ابھی خدا اس کو پاگل کر دیگا" یہ اعتمادِ حقانیت پر ہے۔ اب وہ کلیتہً آخر تک
 معیارِ اعجاز کو ثابت کرتا ہے اور مصلح و مفسد کے فرق کو نمایاں کر دیتا ہے، ان اللہ لا یصلح
 عمل لہ مفسدین یہ خدا مفسد لوگوں کے اعمال کو درست نہیں دیتا۔

چونکہ تم میرے مقابلہ میں میرے اعجاز کو پاگل کرنے لگے ہو اور میری کوشش پر
 پانی پھیرنے لگے ہو اگر میرا دعویٰ غلط ہو تب تو مفسد میں لیکن جبکہ میرا دعویٰ صحیح ہے اور میں
 مصلح ہوں تو تم جو میرے تقاضے میں سد راہ ہو حقیقی مفسد ہو اب بھی تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ
 میں مفسد ہوں یا تم۔ خدا اس مسئلہ کو حل کر دیگا کیونکہ وہ مفسدین کی حمایت نہیں کرتا۔
 ہر طرح کوئی نے براہی طور پر مفسد ہونے کے الزام سے اپنی برائت ظاہر کی۔
 قدرت کو اپنے نمائندہ خاص (موسیٰ بن عمران) پر فساد فی الارض کا الزام اتنا

اس اعتبار سے معجزہ ہوگی میاں معجزہ کا کیا ہوتا ہے؟ میرا میں کلام ہمیشہ سعدی کی کلمات
 ہمیشہ یعقوب کے کتبہ ہمیشہ فردوسی کا شاہنامہ ہمیشہ ہر طرح کی چیزوں میں کچھ ہمیشہ نمود
 موجود ہیں ہمیشہ یعنی کیا۔ یہی کہ کوئی دوسرا سپر قادر نہ ہوا مگر کیا یہ معجزے ہیں؟ نہیں کہ
 ہنیاں ہونے میں کوئی شہنہ سہی مگر ان کے تھا کوئی دعویٰ بیاسٹہ کہ نہیں جو انکی دلا
 خدا پر عائد کرے۔ یہی چیز یعنی میرا نہیں کا مرثیہ، اگر ان دعویٰ کی تپا پیش ہوتا کہ میں نبی ہوں
 اور یہ میری نبوت کی دلیل ہو تو ذمہ داری خدا پر عائد ہو جاتی۔ اب بھی اگر خدا کی ہنیاں
 قائم رہنے دیتا تو مجھے معجزہ تسلیم کر لینے میں عذر نہ تھا۔

اس لہر کہ اس صورت میں گردہ غلط گو ہو تو خدا پر حمایت ہل کا الزام عائد ہوتا ہے اور
 خدا کی ذات حمایت ہل کی بری ہے۔ بس یہی بات تھی جو موسیٰ نے ساحرین کے مقابلہ میں پیش کی تھی
 یہ کہہ کر کہ: ان الله سيضلهم الله لا يصلح عمل المفسدين میری اتنی طولاً
 تقریر اور اس میں میں نے جو کچھ کہا وہ سب ان دو جملوں میں مندرج ہے موسیٰ کہہ رہے ہیں کہ دیکھو
 اسے شاہنامہ وغیرہ اور قرآن کے متعلق مجھے اس کے طے کرنے کی ضرورت نہیں کہ یہ دونوں بلاغت پر
 مساوی ہیں یا نہیں کیونکہ اگر شاہنامہ کی حیثیت بلاغت خارق عادت و درجہ پر تسلیم ہی نہ کیا جائے
 کوئی سوال پیدا ہوتا ہی نہیں چونکہ اکثر تعلیم یافتہ طبقوں کی طرف قرآن مجید کے اعجاز کے مقابلہ
 شاہنامہ وغیرہ کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے اسلئے یہ کہا گیا کہ اگر ان کی شان بلاغت اس درجہ پر
 کہ بھی لیجائے تو وہ خصوصیت اعجاز پیدا نہیں ہوتی کیونکہ ان کے ساتھ دعوائے نبوت شریک نہ
 تاکہ خدا پر ذمہ داری عائد ہو (ارشادات سید العلماء، مندرجہ سرفراز ۹ صفر ۱۳۵۶ھ)

ارشاد ہوتا ہے۔ ان فرعون علا فی الارض وجعلنا ہما شیعا یتضعف
 طائفتہ منہم یدفع ابناءہم ویستقی نساءہم انہ کان من المفسدین
 (سورہ قصص ۲)

(یعنی) فرعون نے دنیا میں بلند ہونے کی کوشش کی اور اہل زمین میں تفرقہ انداز
 کی کچھ لوگوں کو کمر در سمجھ کر انکی اولاد کو ذبح کیا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھ کر
 کنیری میں لیا۔ وہ یقیناً مفسدین میں داخل تھا۔



یہ ایک منظر تھا اس صورت حال کا کہ مصلح حقیقی کو ”مفسد“ کا لقب دیا جائے
 اور اس پر فساد فی الارض کا الزام عائد کیا جائے۔ اور ان صورتوں سے جن کا تذکرہ
 کیا گیا اس الزام کے دفعیہ کی ضرورت پیش آئے بس یہی ہر دور میں سمجھ لیجئے
 کہ برابر مصلحین پر مفسد ہونے کا الزام لگایا گیا ہے اور اس کے ذریعہ سے مفسدین
 نے اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔

ذرائع اصلاح کا غلط استعمال

اور

”فساد فی الارض“ کی مختلف صورتیں

دنیا میں مصلح اور مفسد کا فرقہ اس لئے اور زیادہ دشوار ہو گیا کہ جو چیزیں

ناگوار گزارتا تھا کہ آخر یہ کس لفظ کو نظر انداز نہیں کیا لیا اور اس وقت بھی جبے عیون اپنے لشکر سمیت ودنیل کی مذہب فرعون سے مخاطب کے موقع پر اسی لفظ کو صرف کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَءِيلَ لِبَحْرٍ فَأَتَيْنَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدُوًّا
حَتَّىٰ إِذَا دَرَكَهُ الْفِرْعَوْنَ قَالَ أَمْنْتُ أَنْتَ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتَ بِهِ
يَبْنَؤُا مِثْلَ الْإِنسَانِ الْمُسْتَعِزِّ الْأَنِانِ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلَ وَكُنْتَ مِنَ
الْمُفْسِدِينَ (سورہ یونس ۲۵)

یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے عبور کرایا تو فرعون اور اسکے افواڑ نے اُن کا پیچھا کیا یہاں تک کہ جب فرعون غرق ہونے لگا تو اُس نے کہا کہ میں ایمان لا ابات پر کہ سو اے اسکے کوئی حقیقی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل بیان لائے ہو اور میں اُسکے سامنے تسلیم خم کرتا ہوں (جواب میں ارشاد ہوتا ہے) اب؟ حالانکہ اسکے قبل تو نافرمانی کرتا رہا اور ”مفسدین“ میں داخل رہا۔

گویا آج حق و باطل کی جنگ کے سب سے آخری فیصلہ کن منظر میں بھی مشاہدہ ثابت کر دیا کہ وہی پر مفسد ہونے کا الزام غلط تھا اور وہ لوگ جو اُن پر یہ الزام عائد کرتے تھے خود بڑے مفسد تھے۔

اس کے بعد اُس وقت جب فرعون کا تذکرہ ہمارے رسول سے کیا گیا ہو اور اُسکے اوصاف بیان کئے ہیں تب بھی اُسکے مفسد ہونے کی صفت ضرور ذکر کی گئی ہوگی۔

نذیرب اور سلطنت کی صلاحیتیں

(اور)

فساد فی الارض میں ن کا استعمال

حسین علی کی صلاحیتیں پر فساد
فساد فی الارض کا الزام

الزام کا دفعیہ اور حقیقت واقعہ کامیاب اظہار

سب سے بڑی طاقت عالم میں صلاح عالم کی ذمہ دار، نذیرب کی طاقت ہے۔
”اسلام کی حکیمانہ زندگی“ میں یہ بیان کی حد تک تفصیل سے آج کا ہرگز کوئی کلمہ
سفاد عالم کیلئے نذیرب کی ضرورت ہے۔ اس وقت تو اسے ایک مسلمہ حقیقت کی حیثیت
سے دیکھنا چاہیے کہ نذیرب صلاح عالم کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ جتنے خدشات مذہب نے
صلاح عالم کے لئے انجام دئے ہیں اتنے کسی دوسری چیز نے انجام نہیں دئے لیکن اسی

دنیا میں اصلاح کی ذمہ داری ان ہی کو مفیدین عالم فساد میں صرف کرتے رہی ہیں۔
دنیا میں اصلاح کی سب سے بڑی طاقت مذہب ہے مگر اسی مذہب کے نام کو اور اس کی
ملنے کا صورت کو دنیا میں فساد کا ذریعہ بنایا گیا۔

دوسری طاقت اصلاح عالم کی حکومت و سلطنت ہے۔ یہ بھی نظام عالم کو درست
ہی کرنے کے لئے ہی لیکن اسی سے دنیا میں عظیم فسادات برپا کئے گئے۔

تیسری چیز تمدن و تہذیب۔ اس کے ذریعہ سے اصلاح عالم ہونا چاہیے اور
موجودہ دور میں جبکہ مذہب کی طاقت گھٹ رہی ہو اور حکومت کی گرفت سے بھی لگے
آزاد ہونا چاہتے ہوں جس چیز کا نام اصلاح عالم کے سلسلہ میں لیا جاسکتا ہو وہ نظام
تمدن و تہذیب ہی ہے لیکن اسی تہذیب و تمدن کی آڑ میں امن و امان عالم خاک میں
لایا گیا ہے اور اصلاح کے بجائے فساد پیدا کیا گیا ہے۔

میں ان تمام باتوں کو الگ الگ دکھاؤں گا اور ثابت کروں گا کہ ان میں
سے ہر چیز کس طرح اصلاح عالم کی ذمہ داری اور اسے کس کس طرح "فساد فی الارض"
میں صرف کیا گیا۔

ہزاروں گھر برباد ہو گئے۔ ہزاروں شہر و دیہان ہو گئے۔ ہزاروں مظلوم
پامال ہو گئے۔ صرف مذہب کی بنیاد پر۔

اور پھر دوسری طاقت جس کی اصلی بنیاد اصلاح پر پروردہ سلطنت کی طاقت
ہر حکومت اور سلطنت کی اصلی بنیاد اصلاح عالم پر قائم ہو لیکن چونکہ اس کے
ذلیہ سے مادی طاقت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ طاقت مقاصد کے سرانجام پانے کی
ذمہ دار ہوتی ہے اس لئے غلط مقاصد میں بھی اسی طاقت کو صرف کیا گیا اور اس سے
بہت بڑے فسادات دنیا میں نمودار ہوئے اور مفاد عامہ کے خلاف اقدامات کئے
گئے جن کا نتیجہ فساد فی الارض کی صورت میں رونما ہوا۔

یہ دو طاقتیں مذہب اور سلطنت، ان میں سے ہر ایک تباہ کن اور ہر ایک
نوع انسانی کے لئے غلط صورت میں متعال کئے جانے کی شکل میں نہایت ہلکے
ابگر یہ دونوں طاقتیں کسی وقت میں یکجا ہو جائیں۔ مذہب کی طاقت اور سلطنت
کی مادی قوت کیساتھ ایک تھ ایک مقام پر سمجھ کر کام لیا جائے تو پھر اس سے جو فسادات رونما
ہو سکتے ہیں ان کی مثال دنیا کے پردہ پر دیکھی نہیں جاسکتی۔

سیحی مذہب جو انجیل کے سطور میں محفوظ ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی ایک رخسار پر
طمانچہ مارے تو دوسرا رخسار بڑھاداس تعلیم میں جنگ جبرال، فتنہ و فساد کی گنجائش
کہاں تھی لیکن اس مذہب کے علمبرداروں کو جب سلطنت کی سرپرستی حاصل ہوئی اور
قسطین اعظم کے اس مذہب میں داخل ہونے سے ان کو مادی طاقت حاصل ہوئی تو

مذہب کے ذریعے دنیا میں کیا کیا گیا۔ کتنے فسادات بپا کئے گئے، ان فسادات کو
 بہ انسان دیکھتا ہے تو دل چاہتا ہے کہ مذہب کی طرف سے آنکھیں بند کر لے۔
 یہاں تک کہ کچھ لوگ کہتے ہیں مذہب دینے کے قابل ہی اسی لئے کہ مذہب حشر و فساد
 بہ حال ہمیں کیا شہسہ کہ دنیا کی تاریخ ان ہولناک مظالم سے بھر پور۔ دنیا والوں نے
 اپنے اغراض و مقاصد کو مذہب کے پردے میں چل کرنے کی کوشش کی اور مذہب کو
 ذریعہ قرار دیا۔ اپنے مقاصد کی کامیابی کا اسلئے کہ یہاں مذہب سے مراد کوئی خاص
 مذہب نہیں ہے بلکہ "لائسہ بیت" کے مقابلہ میں جس کو دنیا مذہب کہتی ہے اس کے نام
 دنیا میں جتنے فسادات اب بھی ہوتے ہیں اتنے فساد کسی اور شے کی بنیاد پر کم
 رہنا ہوتے ہوں گے۔

بات یہ ہے کہ ہر انسان اپنے مقصد میں کامیابی میں کسی بڑی طاقت کی سہارا
 ڈھونڈتا ہے۔ دنیا میں چونکہ مذہب سے بڑھ کر کوئی شے افکار عالم کو متاثر کر نہ پالی نہیں
 ہے اس لئے بدینہ انقلاب پیدا کرنے والوں نے اس کا سہارا زیادہ ڈھونڈھا اور کھیر
 مذہب چیز ہے جس کی بنیاد تقدیر و ربانیت کی نیز عقیدہ تنہی پر ہے اس لئے اس کا نام
 آنے کے بعد نقد و تبصرو کی ہمت لوگوں میں کم رہ جاتی ہے اسلئے وہ لوگ جو دنیا کو اندھا
 بنا کر اپنے اغراض و مقاصد کو چل کرنا چاہتے ہیں انھیں مذہب سے زیادہ قیمتی کوئی چیز
 نہیں ملتی اس لئے وہ اپنے مقاصد کو مذہب کا لباس پہناتے ہیں اور مذہب کا نام
 لیکر علم بلند کرتے ہیں۔

عائد کی جاتی ہر صورت اس لئے کہ وہ خاموش طاقت ہرگز مذہب نبی بے زبانی کی مانند
ان اہل مذہب کا شاکِ ہر جو اس کے نام پر دنیا کے امن و امان کو برباد کر دینا چاہتا ہو
فضا میں اضطراب پیدا کریں۔

ہیں نے تھوڑی دیر ہوئی یہ کہا تھا کہ مذہب اگر الگ ہے اور حکومت الگ تو ہر ایک
ان میں سے دنیا کی تباہی کے لئے کافی ہر لیکن اگر مذہب حکومت میں سمودیا جائے
تو پھر جتنے فسادات اس سے برپا ہو سکتے ہیں ان کی کوئی حد نہیں اس کی سبب نمایاں
مثال سلاطین بنی امیہ کے دور سلطنت میں ملی۔ یہاں سلطنت اور مذہب سمودیا گیا
نتیجہ یہی وہ دو چیزیں جنہیں ہر ایک فساد فی الارض کا بے پناہ ذریعہ ہے یہاں دونوں
بہم ہو گئی تھیں اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ کیا "فساد فی الارض" کی دنیا میں واقعہ کر بلا
بڑھ کر کوئی مثال مل سکتی ہے۔

یہ واقعہ کر بلا کس بنیاد پر ہوا۔ مذہب اور حکومت کی سموی ہوئی طاقت کے اوپر
میں آپ کے سامنے تاریخ سے دلائل پیش کر چکا کہ حسین بن علی کو قتل کرنے والے دنیا کو یہ
دکھلا رہے تھے کہ ہم مذہب کی ایک خدمت انجام دے رہے ہیں۔ وہ مذہب کے نام پر اپنے
مقاصد کو پورا کر رہے تھے۔ میں نے دکھلایا تھا کہ موسیٰ کو فرعون کی جماعت مفسد بتلا رہی
تھی یعنی جو حقیقی مصلح ہوتا ہے اس پر مفسد بنو بیکا الزام عائد ہوتا ہے اور جو مفسد ہوتا ہے
وہ مصلح بننے کی کوشش کرتا ہے۔

انہوں نے دنیا میں کیا کچھ کیا؟ اس کے تالیخ کے اوراق ابھی تک محفوظ کئے ہوئے ہیں یعنی ہزاروں کامیون کا خون پانی کی طرح بہ گیا۔ ہزاروں گردنیں زیر تیغ ہو گئیں۔ خاموش اور بے ارادہ من بے ضرر اشخاص کو لایا جاتا تھا اور ان کے ہاتھ پیروں میں رسیاں باندھ کر قوی سہیل لوگ چاروں طرف کھینچتے تھے یہاں تک کہ ان کے جوڑ بند جدا ہو جائیں۔ متنبیلوں میں معین ٹھونکی جاتی تھیں زندہ آگ میں جلائے جاتے تھے۔ یہ تمام مظالم کس چیز کی بنا پر ہوتے تھے اسی مذہب کی بنا پر جس کی تعلیم کاغذی حدود میں نہ تھی نیز اس سے پہلے خود حضرت عیسیٰ کو سولی پر چڑھانے کا اقرار کیا گیا۔ کس بنا پر؟ مذہب کی بنا پر یعنی وہ یہود اور بائبل پر تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰ کے قتل کا فتویٰ دیا اور کہا کہ اٹکا ہلاک کمر نالا زم ہے اور وہ سلطنت ہی تھی جس کے ذریعہ سے اس تجویز نے عملی صورت اختیار کی۔

ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے۔ دنیا میں صلیبی لڑائیاں جاری ہیں جن کا مقصد اصلی صرف سیاست تھا وہ کس طرح مذہب کے نام پر برپا کی گئیں اور کس طرح سادہ لوح افراد کو اس مقدس جذبہ کے تحت میں نذر ہلاکت بنایا گیا۔

اب بچھئے اس دور میں کہ مذہب کے نام پر کیا کیا فتنے اٹھائے جاتے ہیں اور ان فتنوں میں مفاد عامہ کو کتنے عظیم نقصانات پہنچتے ہیں۔ بھونے بھالے افراد سمجھتے ہیں کہ وہ حقیقتہً مذہب کے نام پر جان دے رہے ہیں لیکن مذہب خود ان کے طرز عمل سے نالاں ہوتا ہے۔ خاموش مذہب کے اوپر اپنے اغراض و مقاصد کی ذمہ داری

پیش کرد گنگا جن میں حسین نے اس غلط فہمی کو مٹنے کیا ہے اور یہ دھملاؤں کا کرتاج نے
 امام حسینؑ کی کس طرح تصدیق کی۔ اسی طرح یہ دھملاؤں گنگا کے دوسروں نے حسینؑ کے قتل کو
 مذہبی لباس پہنایا میرے ہاتھ میں صرف یہ کتاب ہے جس کو تاریخ طبری کہتے ہیں
 ایسے محل پر میں سوائے اس کتاب کے کسی دوسری کتاب کا کام نہیں لیتا۔ اس لئے
 میں اسی میں آپ کے سامنے شواہد پیش کرتا ہوں جو میرے موضوع کلام سے تعلق
 رکھتے ہیں۔

میرا مقصد ان حقیقتوں پر روشنی ڈالنا ہے جو میرے عنوان بحث سے متعلق ہیں
 الزام امام حسینؑ اور ان کی جماعت پر ”فساد فی الارض“ کا لگایا جاتا ہے۔ حسینؑ
 اپنی صفائی پیش کرتے ہیں علی صورتِ اور علی طریقوں سے اس صفائی کا نتیجہ
 ظاہر ہوتا ہے۔

الزام کی ابتدا وہاں سے ہوتی ہے جب حضرت مسلم بھیجے گئے ہیں۔ کیا وہ کوئی
 بغاوت کا قصد رکھتے تھے؟ اگر ایسا ہوتا تو مسلم وہ طرز عمل اختیار نہ کرتے جو کیا۔
 یعنی سیاسی اصول پر جو حکومت سلطنت کے مطابق ہے یہ دیکھیے کہ کوفہ کے دارالامارہ
 میں حاکم موجود مسلم امام حسینؑ کی طرف بطور سفیر بھیجے جاتے ہیں۔ اگر مقصد ہوتا
 مادی طاقت سے تصادم کرنا تو سب سے پہلا فرض تھا مسلم کا کہ وہ دارالامارہ پر قبضہ
 کرتے مگر مسلم کیا کرتے ہیں؟ گویا اس کا مظاہرہ کہ تمھاری سلطنت کوئی مطلب
 نہیں ہے تمھاری حکومت کوئی غرض نہیں ہے۔

کیا حسین بن علیؑ سے برحکم دنیا میں کوئی مصلح تھا؟ ہرگز نہیں کیونکہ اس وقت
 دنیا فسادات سے پُر تھی یعنی "فساد فی الارض" کے تمام اقسام جمع ہو گئے تھے ان حالات کے اندر
 جو واقعہ گر بلا کے محرک ہوئے ہیں۔ آپ ملاحظہ فرمائیے کہ نظام اسلام میں انقلاب
 ہو رہا تھا اور بالکل ایک نئی صورت پیدا کی جا رہی تھی۔ ضرورت تھی اس بات کی کہ
 دنیا کو معلوم ہو کہ اصلی تعلیمات اسلام کیا ہیں۔ اور وہ اسلام جس کو رسول اللہؐ نے تھے وہ
 درحقیقت کیا ہے۔ اس حقیقت کو نمایاں کرنے کے لئے ادبیہ دکھلانے کے لئے کہ
 دنیا کی موجودہ رفتار مفاد عامہ کے بالکل خلاف ہے امام حسینؑ نے عزم باہنجم کر لیا۔
 حسینؑ کا اقام صرف اتنا تھا کہ آپ خود ان افعال و اعمال میں شرکت سے انکار کر دیں
 بس اور کچھ نہیں۔ میں اسوہ حسینیؑ میں اس کو تفصیل سے تاریخی شواہد کے ساتھ بیان
 کر چکا ہوں کہ امام حسینؑ کی طرف سے اور کچھ نہیں ہوا تھا سو اے اس کے کہ میں بیعت
 نہیں کرتا۔ میں ان افعال و اعمال کی تائید نہیں کرتا بس لے لے اتنا تھا لیکن یہ قانون
 کے خلاف تھا۔ قانون سلطنت کے خلاف اور اس مذہب کے خلاف جس پر سلطنت کا
 خلاف جڑھا ہوا تھا۔ نتیجہ کیا ہوا؟ نتیجہ وہ ہوا جس کو دنیا جانتی ہے حسینؑ کے ادب الزام
 قائم کیا گیا کہ جو موسیٰ کے ادب پر قائم کیا گیا تھا موسیٰ پر فرعون کی طرف سے مفسد ہو چکا
 الزام لگایا گیا تھا مگر موسیٰ نے دلائل کے ذریعے یہ دکھلادیا کہ میں مفسد نہیں ہوں
 اسی طرح حسینؑ نے اپنے طرز عمل سے شواہد و دلائل سے یہ ثابت کر دیا کہ میں مفسد نہیں ہوں
 علاوہ مفسد میں جنہوں نے میرے خلاف تلواریں کھینچی ہیں۔ میں آپ کے سامنے وہ شواہد

کام شروع نہ کیا کرتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں "امام کے معنی کچھ اور نہ سمجھنا! امام کے معنی صرف یہ ہیں کہ وہ انسان جو کتاب و سنت پر عمل کرنا چاہے اور عدالت کا پابند ہو اور حق کی پیروی کرنا چاہے اور اپنی نفسانی خواہشوں کو مقید رکھے ہو خدا کی ذات اور اس کی مرضی پر۔"

آپ کے مطالبات ہو گیا یعنی میری جانب سے مادی طاقت کے استعمال کا اندیشہ نہیں کرنا چاہیے میرے متعلق مفہوم انگیزی کا خطرہ دل میں لانا چاہیے میں صرف احکام خداوندی پر چلنے والا اور دوسروں کو چلانا چاہوں۔

اب مسلم آئے۔ اور کوہ میں قیام کیا۔ انکی کوشش ہرگز مفسدانہ نہ تھی لیکن مفسدین کے مقاصد ان صلاحی رویت سے بالمال ضرور ہوتے تھے اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ کہ مسلم گرفتار کئے گئے ان تمام تفصیلات کے بعد جواب کو معلوم ہیں ان کا بیان کرنا مجھے مقصود نہیں ہے۔ اب جب مسلم گرفتار ہو کر ابن زیاد کے پاس لائے گئے ہیں تو اس وقت جو گفتگو ہوئی ہوئی ہے۔ سے ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ کیا الزام ہر جو مسلم پر عائد کیا جاتا ہے۔ ابن زیاد کہتا ہے۔

ایدا ابن عقیل یت الناس و امرهم جمیع و کلمتهم واحدة لتشتقوا
وتفرق کلمتهم و یفعل بعضهم علی بعض۔

یعنی ابن عقیل تم یہاں آئے ہو لوگوں میں تفرقہ ڈالنے اور ان میں آپس میں
فساد کرنے کے ایک جماعت دوسرے پر حملہ کرے اور جنگ کی صورت پیدا ہو۔

جا کر مختار بن ابی عبیدہ کے مختصر مکان میں قیام کیا۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟
 سہیت یعنی معاہدہ فدا داری امام حسینؑ کے لئے امام کے معنی کیا فوج کشی کرنا بلا جنگ
 جہال کرنا والا؟ نہیں۔ اس غلط فہمی کو امام حسینؑ نے اس خط میں جو سب سے پہلے
 مسلم کے ساتھ بطور پیامِ جاہلی کو ذر کے نام بھیجا گیا تھا دور کر دیا تھا گویا اس خط
 سے دکھلادیا تھا کہ میرا طرز عمل مصلحانہ ہے یہ فسادانہ نہیں ہے۔ دنیاوی حیثیت سے لکھنا
 کہا جاسیے تھا؟ یہ لکھا جاسیے تھا کہ میں مسلم کو بھیجتا ہوں۔ تم ان کے ساتھ ہو کہ
 کوفہ کی برسرِ اقتدار حکومت پر سرسپا ہو۔ کوفہ کی فضا کو میرے لئے صاف کر دو۔
 ارادہ الہامیہ پر قبضہ کر لو۔ پھر میں تمہاری جانب آتا ہوں۔

یہ ہونا چاہیے تھا لیکن امام نے جو خط تحریر فرمایا ہے اس میں یہ کچھ بھی نہیں ہے۔
 اس میں بس یہ ہے کہ تمہارے خطوط میرے پاس گئے۔ ان سب کا قریب قریب معنیوں
 ہے کہ ہمارے لئے کوئی امام نہیں ہو لہذا آپ ہمارے پاس آئیے تاکہ آپ کے ذریعہ سے
 ہم کو ہدایت حاصل ہو اور ہم نقطہ حقیقت پر متفق ہو جائیں۔ اس بنا پر میں اپنے
 معتد علیہ حجازی زاد بھائی کو بھیجتا ہوں۔ یہ مجھے تمہارے حالات و خیالات کے اطلاع
 دینگے۔ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

فلعلی ما لا امام الا العاصم بالكتاب والاخذ بالقسط الدائن
 بالحق والحا این نفسہ علی ذات اللہ ۛ

یہ کہہ کر دکھلادیا ہے کہ امام کسی "فساد فی الارض" کا باعث نہیں ہوتا۔ اسکا

خروج۔ فساد کے الزامات عائد ہو جاتے بلکہ آپ فرماتے ہیں کہ ہم آئے ہیں اس لئے کہ تمہارے
افعال سے عام مسلمانوں کے اخلاق جو فاسد ہو رہے ہیں ہم ان کی اخلاقی اصلاح کریں
چونکہ دنیا اپنے حکام کے افعال سے بہت متاثر ہوتی ہے۔ لہذا تمہارے ان اعمال افعال سے
جو دماغی اور ذہنی انقلاب خلق خدا میں ہو رہا ہے ہم اس انقلاب کو روکنے کے لئے اور عدالت
و انصاف اور تعلیمات قرآن پر لوگوں کو عمل سیرا بنانے کے لئے آئے ہیں۔

دیکھئے اس مختصر سی گفتگو سے فساد فی الارض کا رخ پلٹا یا نہیں۔

مسلم نے صفائی پیش کر دی کہ نہ میں بانی فساد اور فساد کی طرف دعوت دینے والا۔
اور اگر حقیقت بنیاد فساد قائم کی ہو تو تم نے اور تمہارے حامیوں نے اور تمہارے زعماء
افراد نے لہذا ہم کو فساد سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ وہ واقعہ تھا جو سرنامہ ہر واقعات کے ہلکا کا اب یہ چیز شروع ہو جاتی ہے فساد
فی الارض کا الزام، اس کا دفعیہ اور اپنی صفائی۔ ملاحظہ ہو کہ حضرت سید الشہداء نے
عملی طور پر کس طرح سے کوشش کی اپنی اصلاحانہ حیثیت کے نمایان کرنے کی۔

راہ میں حرم کا ملنا اور اس موقع پر امام حسینؑ کا خطبہ جب نماز ظہر کا وقت آیا۔
اور اذان ہوئی حضرت حمیمہ کے باہر تشریف لائے اور مجمع کو مخاطب کر کے تقریر فرمائی۔

ایھا الناس! نھامعذتہ الی اللہ عزوجل والیکم۔

”میں چاہتا ہوں کہ خدا کے سامنے اذیت لوگوں کے سامنے اپنی صفائی پیش کر دوں
ان لوگوں کو کہ تمہاری کتبکم و قد مت علیٰ رسولکم ان اقدام علینا

فرد قرار داد جرم کا خلاصہ کیا ہوا؟ فساد فی الارض
ابن مسلم کی طرف سے اس کا کیا جواب ہے؟ بے شک اُس طرف مادی طاقت ہو
مگر مسلم کو حق پر اعتماد ہو۔ الزام منکر سکوت کرنا قصد بے جرم پر محمول ہو نیکیا امکان
رکتا ہو اس لئے مسلم نے جواب دیا اور وہ جواب جس نے آخر تک قدامتینی کے فلسفہ کو
ظاہر کر دیا۔ وہ فرماتے ہیں۔

كَلَّاسَتْ اَتَيْتَ وَلَكِنْ اَهْلًا لِمَصْرَ عَمَّا اَنْ اَبَاكَ قَتَلَ خِيَارَهُمْ وَسَفَكَ
دِمَاءَهُمْ وَعَمِلَ فِيمَ اَعْمَالِ كَسْرَى وَقَصِصَ فِ تَتِيْنَاهُمْ لِنَاْمُرَ بِالْعَدْلِ وَنَدْعُو اِلَى اِحْكَامِ الْكَلِمَاتِ
اُوْصِرْ سِ فساد فی الارض کا الزام بالکل دعوائے بے دلیل کی حیثیت رکھتا تھا
لیکن مسلم ایک ایک کر کے فساد فی الارض کی مثالیں پیش کر رہے ہیں اور دکھلا رہے ہیں
کہ مفسد کون ہے۔ کہتے ہیں کہ میں اسلئے تو نہیں آیا ہوں کہ مفسدہ پر دازی کروں بلکہ
اس ملک لوں نے یہ خیال ظاہر کیا تھا اور لکھا تھا کہ تیرے باپ نے ان کے نیک
آدمیوں کو قتل کیا اور ان کے خون بہائے یہ ایک بات۔ دوسرے اسلام کی
سادگی کو مٹا کر وہ افعال و اعمال اختیار کئے جو کسریٰ و قیصر کی سنت ہیں۔

یہ دونوں فساد فی الارض کی باتیں ہیں جو درحقیقت اموی سلطنت کے تمام
دور کا خلاصہ ہے۔

اب جناب مسلم اپنے آنے کا مقصد بیان فرماتے ہیں۔ یہ نہیں کہ ہم آئے ہیں کہ
تمہاری طاقتوں کو پامال کر دیں۔ تم سے سلطنت چھین لیں۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر نیا تو

مرأیکم عنی ما اتقنی کتبکم وقد مت بد علیٰ رسلکم انضرت عنکم۔

”اے ایمان والو! اگر تم انصاف سے کام لو اور حقیقت پر غور کرو اور صاحبانِ حق کے حق کو پہچانو تو یہ خدا کی رضا مندی کا باعث ہے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان دعویٰ دارانِ خلافت کے مقابلہ میں جنہوں نے ظلم و تعدی کے افعال اختیار کئے ہم اہلبیت کا حق زیادہ مرتفع ہے۔ بہر حال اگر تمہاری رکاوٹ نہ ہو جو تمہارے خطوط سے ظاہر ہوتی تھی اور جو تمہارے قاصدوں نے بیان کی تھی تو میں واپس چلا جاؤں۔“

اس مرتبہ حمر نے جواب دیا جو بارہا آپ سن چکے ہیں کہ ان خط کے لکھنے والوں میں من خین جمن مگر یہ جواب کوئی جواب نہیں تھا۔ کیونکہ امام حسینؑ نے کسی شخص خاص کو بحیثیت اس کی شخصیت کے مخاطب نہیں کیا تھا بلکہ جمہور اہل کوفہ کو مخاطب کیا تھا۔

بہر حال اس کے بعد راستے کی دوسری تقریریں ہیں۔ ان میں بھی آپ نے دنیا کے اُن حالات پر تبصرہ فرمایا ہے جو فساد فی الارض کی حیثیت سے رونما ہیں۔

ایک مقام پر جس کا نام ”بیتہ“ تھا حضرت نے صحابہ جرد اور اپنے اصحاب کے سامنے یہ تقریر فرمائی۔

دیکھئے۔ اسلام کے تعلیمات کا حوالہ دیتے ہوئے، اپنے فرائض کو دکھلاتے ہوئے، فساد فی الارض کے موقع پر مصلحِ حقیقی کا کیا فرض ہے اُسے پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ایہا الناس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال من رأى سلطانا ناجرا واستحى لا يحرم الله ناکث العهد الله مخالفًا لمنه رسول الله

فانه ليس لنا امام لعل الله يجمعنا بآب على الهدى فان كنتم على ذلك
فقد جئتمكم فان تطولنا ما طمئنت اليه من محوكم ومواثيقكم اقدم مصركم
وان لم تفعلوا وكنتم لمقدمي كاهين الضرفت عنكم الى المكان الذي
اقبلت منه اليكم -

”میں تمہاری جانب نہیں آیا جب تک تمہارے خطوط نہیں گئے اور تمہارے مقاصد
میرے پاس نہیں پہنچے ان خطوط اور پیغاموں کا خلاصہ یہی تھا کہ آپ آئیے کیونکہ
ہمارے لئے کوئی امام نہیں ہو شاید آپ کے ذریعے سے خدا ہم کو ہدایت پر جمع کرے۔
اب اگر تم انجیبات پر برقرار ہو تو میں موجود ہوں۔ تم مجھ سے وعدہ کرو اور
اطمینان بخش عہد و پیمان کرو میں تمہارے شہر میں آنے کے لئے طیارہوں اور اگر تم یہاں
نہ کرو اور تم لوگ میرے آنے سے ناراض ہو تو میں واپس چلا جاؤں وہیں جہاں سے
آیا ہوں“

اب دیکھئے کہ اس میں صلح پسندانہ عنصر کے علاوہ کوئی اور عنصر شریک ہے؟
اس خطبہ کا کوئی جواب نہیں ملا۔ پھر دوسری تقریر عصر کے وقت نماز کے بعد اپنے
فرمانی جس میں بعد حمد و صلوة مجمع کو مخاطب کر کے ارشاد کیا۔

ایما الناس فانکم ان تقوا وتعرفوا الحق لا هلاک لکم ان رضی اللہ عنکم
اهل بیت اولی بولاية هذا الامر علیکم من هؤلاء المدعیین مالیں
لهم السائرین فیکم بالجو والعدوان وانتم کرهتمو نا وجعلتم حقنا وکان

کی کوشش کرے۔“

یقیناً حسین سے بڑھ کر کسی پر یہ فرض عائد نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ انھیں اسلام کے ساتھ جو خصوصیت تھی وہ کسی دوسرے کو نہ تھی۔ اس کی تفصیل میں کسی حد تک پتہ چلا کہ حسین اور اسلام میں کچھ چکا ہوں۔

اسلام کا رسول کب کیا تھے کیا تعلق؟ رسول کیا تھے حسین کا کیا رشتہ؟ پھر اسلام انہیں میں کیا ارتباط؟

میں سوچ رہا تھا کہ رسول کے رشتہ کے لحاظ سے حسین اور اسلام میں وہی تعلق تھا جو ایک گود میں پرورش پانے والے دو بچوں میں ہوتا ہے تو اب اگر اسلام کے گلے چھریاں پھیر کر تو حسین نے زیادہ کون متاثر ہوگا۔

یہ سب کچھ ان الفاظ میں مضمحل ہو کر کہ (انا احق من غید) اس کے بعد فرماتے ہیں:
وقد اتتني كتبكم وقد مت علي رسولكم ببيعةكم انكم لا تسلمون ولا
تخذ لون فان تمتم علي ببيعةكم نصيبوا رشداً کم۔

اور پھر تمھارے خطوط میرے پاس آئے اور تمھارے پیغام پہنچے کہ ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں اس بات پر آپ کو اکیلا نہیں چھوڑینگے اور آپ کی نصرت کرتے رہیں گے۔ اب اگر تم لوگ اپنی بیعت پر قائم رہو گے تو تمھارے ہی لئے اچھا ہوگا۔
فانا الحسين بن علي وابن فاطمة بنت رسول الله نفسي مع انفسكم
واهل مع اهلبيكم فلكم في اسوة۔

یعل فی عباد اللہ بلاثم والعدۃ ان فلم یغیر علیہ بفعل ولا قول کان حقاً
علی اللہ ان یدخلہ مدخلہ .

یعنی ایسا انسان پیغمبر اسلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی بادشاہ کو دیکھے جو ظلم و
جور کرتا ہو، محرمات الکبیرہ کو حلال بنائے ہوئے ہے، خدائی عہد و پیمان کو توڑ رہا ہو اور
سنت رسول کی مخالفت کرتا ہو۔ اور بندگان خدا میں مصیبت خدا کا طرز اختیار کئے
ہوئے ہر لیکن شخص ان باتوں کو گوارا کرے اور اصلاح کی کوشش نہ کرے نہ قولی اور نہ
عملی تو خدا کو حق ہوگا کہ وہ اسے اسی بادشاہ کے درجہ میں محسوب کرے یعنی اس کے گناہیں
اسے بھی شریک قرار دے کیونکہ اس نے اپنے طرز عمل سے اس کی مہمت افزائی کی اور اس کے
اعمال و افعال کو تقویت پہنچائی ۔

اس کے بعد آپ موجودہ حالت کو بیان فرماتے ہیں ۔

الافان ہو لا قد نر مو اطاعۃ الشیطان ونر کو اطاعۃ الرحمن واظہروا
الفساد وعطو الحد و استأثروا بالفیء واحلو احرام اللہ و حرموا حلالہ
وانا حق من غیر ۔

”تمہیں معلوم ہوگا کہ ان بنی امیہ اطاعت شیطان کے مسلک کی پابندی
کرتی ہر اور خدا کی اطاعت کو چھوڑ دیا ہو۔ دنیا میں فساد ظاہر کیا ہو اور خدا کو
معطل کر دیا ہو مسلمانوں کے اموال کو اپنا بنالیا ہو اور حرام خدا کو حلال، حلال خدا کو
حرام بنا دیا ہو۔ اس صورت میں مجھ سے زیادہ کسی پرستی عائد ہوتا ہو کہ وہ اصلاح

خود ہی ضرر اٹھاتا رہی، اب ہا میں مجھے خدا کی رضا مندی اور اس کی حمایت کافی ہو اور کسی کی ضرورت نہیں والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کتنی اطمینان اور سکون سلامتی کی تقریر۔ یہ اس لشکر کے سامنے تقریر ہو جو آپ کو روکنے یا گرفتار کرنے کیلئے آیا ہے۔ یہ تحریک لشکر سے تقریر ہو جس کو والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پیغمبر کیا جا رہا ہے جس کی بڑھکرا عزت اور مکمل سلام بااداب ہو نہیں سکتا۔

ان تمام تقریریں دل سے ظاہر ہو گیا کہ امام اپنا مقصد جنگ و جدال یا نفروانذار کی معرکہ آرائی نہیں قرار دیتے بلکہ اچھی باتوں کا حکم دینے کے لئے، بری باتوں سے روکنے کے لئے، اخلاقی و مذہبی تعلیم دینے کے لئے انہی مقاصد کے واسطے اپنے آنے کی بنیاد قرار دیر ہے ہیں۔ اب اس میں کوئی بناوٹ ہے کہ کوئی کشتی ہو۔ کوئی فساد فی الارض ہو۔ مگر مادیت کے غور سے سرشار طبائع وہ بہر حال اسی کو گوارا نہیں کرتے کہ کوئی ہماری باتوں کو برا سمجھے۔ چاہے وہ لڑے نہیں مگر اختلاف ہی رکھتا ہو۔ اسلئے الزام ہی الزام کیا ہو نہ ہی فساد فی الارض جس کے بعد دوسرا فریق مصلح قرار پاتا ہو۔ لیکن حسین بہا براپنے عمل مصلحانہ حیثیت کو ثابت کرتے رہے۔ ”جوشہ نبی“ میں اس کے متعلق کافی تبصرو کیا گیا ہو۔

کہ بلا میں ہو بچنے کے بعد۔ عمر سعد کی گفتگو اور امام کے شرائط میں یہ امر اس درجہ نمایاں ہو گیا کہ عمر سعد کو تسلیم کرنا پڑا کہ حسین مصلحانہ طریقہ کے کاربند ہیں اور سلجھ چکے ہیں یہ کہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ یہ ابن سعد کوئی اور نہیں وہ کہ بلا میں بجائے

میں کوئی اور نہیں ہوں حسین ہوں علی کا فرزند اور رسول خدا کی بی بی فاطمہ ہر اکا
 و بلند۔ یہ نہ سمجھو کہ میں دنیا کے فساد نہادوں کی طرح تمہیں مصیبت میں مبتلا کر دوں گا اور
 خود اپنی جان بچاؤں گا دنیا کے لیڈر دل کا طرز عمل یہی ہے کہ عالم افراد کو آگ میں جھونک دے
 اور خود راحت آرام کی زندگی بسر کرے۔ دوسروں کے گلے کٹوا دو اور خود صحیح سلامت اپنی
 جان بچاؤ۔ یہ ہر عام لیڈر دل کا طرز عمل آپ فرماتے ہیں کہ میں یا نہیں ہوں میری جان
 تمہاری جان کے ساتھ ہو اور پھر میں تنہا نہیں ہوں۔ میرے بچے اور عورتیں تمہارے
 بچوں اور عورتوں کے ساتھ ہیں۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم میرے ساتھ شرکت کرو اور جو
 مجھ پر گندے اُس میں تم میرا ہاتھ دو۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاِنْقَضَتْ عَهْدُكُمْ وَخَلَعْتُمْ بَعِيْثِيْ مِنْ اَعْنَاقِكُمْ فَلَعْنَةُ
 مَا هِيَ لَكُمْ بِنَاكِ لَفْظًا فَعَلْتُمْ هَا بَايَ اُنْحَى وَابْنَ عَمِيٍّ مُّسْلِمًا فَلَمَّا خُذِرْتُمْ مِنْ اَعْنَاقِكُمْ فَخَطَلَكُمْ
 اَخْطَاؤُكُمْ وَنَصِيبُكُمْ ضَيِّعْتُمْ وَمِنْ نَكَثٍ فَاَنَا مَيْكُتٌ عَلٰى نَفْسِهِ وَيَسْتَغْنٰى اللّٰهُ عَنْكُمْ
 وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

دو اور اگر تم ایسا نہ کرو گے دراپنے عہد کو توڑ دالو گے اور میری بیعت اپنی گردنوں
 سے اتار ڈالو گے تو یہ تمہاری طرف سے کوئی نئی بات نہیں ہے کہ چونکہ تم نے میرے باپ اور
 بھائی کے ساتھ یہی کیا اور میرے چچا زاد بھائی مسلم کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا۔
 حقیقتہً فریب خوردہ ہو رہے ہو کہ جو تم سے فریب کھا جائے اگر تم نے ایسا کیا تو یہ
 تمہاری ہی قسمت کا پھیر ہے اور تمہارا ہی نقصان ہے اور جو شخص عہد شکنی کرے وہ

کی صلاح ہے۔“

اب ملاحظہ کیا آپ نے کہ باقر عمر سعد اصلاح امر امت کی صورت کس کی طرف سے پیدا ہوئی حسین کی طرف سے اور ایسی اصلاح جس سے مخالف کو بھی سرتابی کی مجال نہیں عمر سعد کو تسلیم کرنا پڑا ہرگز کہ ان صورتوں کو ضرور منظور کرنا چاہیے۔ ان میں امت کی صلاح ہے۔ تو اب اگر یہ شرائط منظور نہ کیے جائیں تو امت کے لئے فساد ہر اور اس فساد کی ذمہ داری کس پر؟ اس فریق پر جو ان شرائط کو مسترد کرے۔

نتیجہ یہی ہوا یعنی ابن زیاد کی جانب سے یہ شرائط مسترد ہوئے جس کا محرک نجبال عمر سعد شمر بن ذی الجوشن تھا اور اس طرز عمل کو صاف طور سے عمر سعد نے فساد کا لقب دیا چنانچہ جب شمر عمر سعد کے پاس ابن زیاد کا نام لیکر آیا جس میں شرائط کی نامنظوری تھی اور حسین کے قتل کا تاکید بھی حکم تو عمر سعد نے کہا: افتد علیہا امر لکنا دھوا ان یصلح۔ ”تو نے فساد پیدا کر دیا اس معاملہ میں جس کے اصلاح کی ہرگز امید تھی۔“ حسین نے اتنا نمایاں کر کے پیش کیا مصلح اور مفسد کے فرق کو کہ اس طرف کی جماعت دالوں کو احساس ہونے لگا چنانچہ یہی بنیاد ہوئی حر کے اس طرف آجانے کی اور فوج عمر سعد سے کنارہ کشی کر لینے کی۔

چنانچہ جب شرائط مسترد ہو چکے اور لڑائی ٹھن گئی اس وقت حر عمر سعد کے پاس آیا اور کہا افعالکم فی واحة من الخصال التي عوض علیکم سعداً ”یہ اتنے شرائط جو حسین نے پیش کئے ہیں ان میں سے کوئی بھی قابل منظوری نہیں ہو رہا؟“

ابن زیاد اور ابن زیاد کو ذمی بجائے یزید اور یزید شام کے تخت پر وہی حسین بن علی کا اصل حریف۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ عمر سعد پوری ہویا طاقت کی نائیدگی کر رہا ہے عمر سعد نے سمجھ لیا کہ حسینؑ حقیقت اپنی طرف سے فساد نہیں چاہ رہے ہیں اور ان کا طرز عمل فساد بردار نہیں ہے چنانچہ آپؑ نے جب اپنے شرائط پیش کئے اور عمر سعد کیساتھ گفتگو واقع ہوئی اور یہ کہہ کر مجھے ادھر ادھر چلے جانے دو۔ اس موقع پر عمر سعد نے ابن زیاد کو خط لکھا جس کے الفاظ یہ ہیں:

اما بعد فان الله قد اطفا النائرة وجمع الكلمة واصلاح الامم
لهذا حين قد اعطان ان يرجع الى المكان الذي منه اتى اوان نسيره
الى اى تغرم تغور المسلمين شئنا فيكون رجلا من المسلمين له ما لهم
وعليه ما عليهم۔

”خدا نے آگ کو بجھا دیا اور اختلاف کو دور کر دیا اور امت اسلام کے معاملات کی اصلاح کر دی۔ حسینؑ اقرار کرتے ہیں کہ وہ جہاں سے آئے ہیں وہیں واپس چلے جائیں یا ہم انہیں روانہ کر دیں جس سرحد کی طرف مسلمانوں کی سرحدوں میں سے ہم چاہیں میں وہ ایک فرد مسلم کی سہی زندگی بسر کریں۔“ اور تمام شرائط کے بعد آخر میں لکھا ہر وہی
هذا لكم رضی ولامة صلاح۔

”یہ وہ باتیں ہیں جن پر تم لوگوں کو رضی ہو چاہیے اور ان میں امت محمدیہ

کتنی نمایاں صورت صلاح اور فساد کے امتیاز کی ایک شخص ہر کہ نہ صلاح کی صورتیں
 اپنی جان سے ہمارے پیش ہی کرتا جاتا ہے اور دوسرا فریق ہر کہ اُن میں سے کسی شرط کو
 منظور ہی نہیں کرتا۔ صاف ظاہر ہر کہ پہلا فریقِ مصالح ہر کہ اور دوسرا مفسد۔ عمر سعد کا
 بھی دل اس معاملہ میں اتنا شکست خوردہ تھا اور ضمیر سے اتنا مطلوب کہ اُس نے صفا
 کہہ دیا۔ اِما و اللہ لو کان الا امر لى لفعلت و لکن امیرک قد ابى ذلک -
 ”خدا کی قسم اگر میرا اختیار ہوتا تو میں ضرور منظور کر لیتا لیکن تمہارا امیر راسخ
 زیاد) نہیں مانتا۔“

بس جو کہ انوار ہو گیا کہ عمر سعد کا غمیری ہی حسین کی مصیبت نہ حیثیت کا معترف ہے اور
 بات ہر کہ وہ طبع دنیا کی بنا پر ضمیر کے فیصلہ کے خلاف عمل کر رہا ہے اور فوج کی سرداری
 سے دستبردار نہیں ہو

لیکن حراں ہوا دھوس اور طمع دھوس کے شکنجوں سے آزاد تھا اُس نے مصالح کا تقاضا
 دیا اور مفسد سے کنارہ کشی کی نہ لشکر حسین کی طرف آگیا اور تباہ دیا کہ میں پہلے کیوں دھوس
 تھا اور اب کیوں ادھر آگیا۔

اس نے امام کی خدمت میں آکر کہا کہ میں قصور دار ضرور ہوں کہ آپ کو گھیر کر
 اس جگہ لے آیا۔ مگر یہ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ لوگ آپ کے تمام شرائط کو مسترد کر دینگے
 جو آپ پیش کر دینگے۔ میں نے خیال کیا تھا کہ میں کسی حد تک قانون کی خلاف ورزی
 بھی نہ کر دوں اور پھر نتیجہ تو حسین بن علی ایسے شرائط پیش کرینگے جن میں کسی نہ کسی کو

قرآن مجید میں ہے۔

وقال فرعون ذنوبي اقبل موسیٰ ولیدع ذنوبی ان یتبدل

دینکر اوان ینظر فی الارض لفساد (سورہ یونس ۲۲)

”فرعون نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں۔ چاہے وہ اپنے خدا سے فریاد بھی کرے کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تمھارے دین کو بدل دینگے یا دوسرے زمین میں فساد پیدا کرینگے۔“

یہی الزام اہم سین پر عائد کیا گیا تھا جو کوئی نئی بات نہ تھی وہ جو فرعون نے طاقتوں کی طرف سے ہونا چاہیئے تھا وہ ہوا ہا تھا اور وہ جو مصلحین حقیقی کو گناہا پہنچ کر وہ دلائل کے ذریعے اپنے کو بے جرم ثابت کر دیں جو حسین کی جانب سے ہوا چونکہ جرم یہ قرار دیا گیا تھا کہ تم فساد فی الارض کے مرتکب اب رہ دین سے منحرف ہو۔ اس کے مقابل میں مصلح حقیقی نے دلائل کے ذریعے اپنے طرز عمل کے ذریعہ سے دنیا کے سامنے یہ ثابت کر دیا کہ میں مفسد نہیں ہوں اور نہ دین سے منحرف ہوں۔ اس طرح ثابت کیا کہ اب ہمارے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم کو دلائل و براہین سے کام لینے کی حاجت نہیں۔ وہ منوا گئے خود اپنے دور حیات میں اور اپنے طرز عمل سے انھوں نے تسلیم کر لیا ان لوگوں سے کہ جو فساد فی الارض کا الزام عائد کر نیوالے تھے مختلف طرح سے آئے اپنی صفائی پیش کی۔ وہ ظہر کے وقت کا مکالمہ۔ پھر وہ عصر کی تقریر۔ پھر وہ ماں شہ کی منزل پر تقریر۔ پھر کہ بلا ہو سچنے کے بعد عمر سعد سے گفتگو اور شراطین

یہ وہ چیزیں ہیں جو بطور پاداش جرمِ مفسد کے لئے قرار دی گئی ہیں۔ میرا انداز بیان یہ نہیں ہے کہ میں مصائب بیان کر کے آپ کو متاثر کر دوں۔

بہر حال جو کتنا جاہتا ہوں اُس پر اشارۃً تبصرہ بھی ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ چند چیزیں فساد فی الارض کی پاداش میں قرآن نے ذکر کی ہیں وہاں ایک ایک کر کے انہیں بتلایا گیا تھا۔ یا یہ۔ یا وہ۔ یا وہ لیکن مفسدین فی الارض نے انہوں نے اپنی طاغوتی طاقتوں کے برتے پر ایک مصلحِ حقیقی کو مفسد کا لقب یہ دیا تھا انہوں نے اُس کے ساتھ وہ سب لوگ جمع کر دئے۔ ممکن تھا کہ میں اس کو ان الفاظ میں بیان کرتا جس طرح مجلس میں بیان ہونا چاہیے لیکن مجھے درحقیقت نفسِ مطلب کو آپ کے سامنے پیش کرنا ہے۔ آپ اس کو جب غور کیجئے گا تو سمجھ میں آئے گا کہ جتنی چیزوں کو علیہ علیہ یا یہ کر دیا یہ کہ مفسدین فی الارض نے اُن کو اجتماعی صورت پر بنا لیا اس غمناکے نیک بندہ کیساتھ اس مصلحِ عالم کے ساتھ جس کو انہوں نے اپنے مذاق میں مفسد سمجھا اور مفسد کی صورت میں دیکھ کے سامنے پیش کیا اور پھر یہ سب کس بنا پر؟ مذہب کی طرف سے دین کے پردے میں وہ کہ جو مذہب کو فنکار ہے تھے۔ وہ کہ جو دین اسلام کو تباہ کر رہے تھے وہ دنیا کو یہ دکھلا رہے تھے کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں وہ درحقیقت دینی احکام کی بنا پر اور مذہبی تعلیمات کے ماتحت۔

ہم کو متاثر ہے یہ تذکرہ قرآن مجید میں کہ فرعون کی جانب سے جس طرح موسیٰ کو فساد کا مجرم ٹھہرایا گیا۔ اسی طرح دین کے ٹٹلنے کا الزام بھی موسیٰ پر عائد کیا گیا۔

کے لئے خود ایک صلح پسندی کی شان کا مظاہرہ تھا اس لئے کہ جنگ کی سواری ہر گھوڑا اور اس داخلین کی سواری ہر ناقہ اپنے ناقہ پر سوار ہونے سے گویا دکھلایا تھا کہ میں اپنی طرف سے جنگ پر آمادہ نہیں ہوں۔ مجھے اس وقت وہ پہلا خطبہ بیان کرنا نہیں پڑا۔ اس میں رسول کی حدیثیں یاد دلائی گئیں ان روایات کی صحت پر صحابہ رسول کی گواہی حاصل کرنے کو ارشاد کیا ہر خانہ اس میں فرمایا ہر۔ اولیس حمزہ سید الشہداء عم ابی کیا حمزہ جو سید الشہداء کے لقب سے ملقب ہیں وہ میرے ہی ایکے چچا نہیں تھے۔ اولیس جعفر الشہید الطیارہ والجناحین عمی کیا جعفر علی جنمیں قدرت سے بعد شہادت پر پرداز عطا کئے ہیں خود میرے حقیقی چچا نہ تھے۔

اولیس بنگم قول مستفیض فیکم ان رسول اللہ قال لی ولاخی ہذا سید اشباب مل الجنة۔

لاحظہ ہوتا ہے اعتماد سچائی پر کہ دشمن کے مجمع میں حدیث نقل کی جائے اور دل میں کھسکا نہ ہو کہ کوئی جھٹلا دیکھا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

”کیا تمہیں تو ارشاد رسول کی نہیں پہونچی ہر جو حضرت نے میرے بارے میں اور میرے بھائی کے بارے میں ارشاد فرمائی تھی کہ یہ دونوں سردار ہیں جو انارن اہل جنت کے“ فان صدقتمونی بما قول دھوالحق واللہ ما تعدت کذبا منذ خلقت ان اللہ یحقت علی ماہلہ ولیمتر بدین اخلقہ اگر تم تصدیق کرو میری اور ان لوگوں کو کہتا ہوں اے تو خیر اور حقیقت یہی ہے کہ یہ جو کہتا ہوں سچ ہی ہے

ایسے ملائم کہ خود عمر سعد کی طبیعت پر وزن پڑا اور اس کو یہ اندازہ ہوا کہ بیشک
 حسین صلاحت کے طالب ہیں۔ اسکے بعد آخری موقع تک جبکہ تمام حجت اپنے آخری
 حدود میں پہنچ چکی تھی اسوقت بھی اس جرم کو نہیں بھولے اسوقت موقع سخت سرد
 تھا مگر دنیا کے حوادث سے مضطرب نہ ہوئیو الا نفس وہ اس کا کبھی لحاظ نہیں کرتا۔
 وہاں حق و باطل کا تفرقہ کیا جا رہا تھا۔ وہاں صلاح اور فساد کا الگ الگ نمونہ
 دکھلایا جا رہا تھا۔ وہاں مفسد اور مصالح کا امتیاز دنیا کے سامنے نمایاں کیا جا رہا
 تھا اسوقت جبکہ عاشور کا ہنگام تھا اور بس اب کچھ دیدہ گئی تھی حق اور باطل کے اس
 آخری فیصلہ میں جو دنیا کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس مسئلہ کو حل کر گیا اسوقت
 بھی امام حسینؑ نے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا اور یہ دکھلا دیا کہ جب تک ظلم و
 استبداد کی اتنی طغیانی ہو ایں میری کسی اور بے بسی کے عالم میں میرے ہونہر کی
 مجھ کو کوئی مفسد فی الارض ثابت نہ کر سکا تو میرے بعد کسی کو کہنے کا کیا حق ہو۔
 ذرا آپ ملاحظہ تو کیجئے کہ ایک انسان ایک طرف اور ہزاروں زبانیں دوسری طرف
 بے شک حق میں ایسی طاقت ہونا چاہیے اور ایک انسان اپنی سیائی پر اپنے حسن علی
 اپنی صداقت پر اتنا اعتماد رکھتا ہو حسینؑ نے اسوقت جبکہ اپنا گواہ کوئی نہ تھا اور
 دنیا دشمن تھی دنیا سے اپنی بے رحمی کا کلمہ پڑھوالیا۔ وہ خطبہ جس کے ابتدائی فقرات کو
 بیان کر چکا ہوں ”اسوہ حسینی“ کے ذیل میں ”وہ خطبہ جو حضرت نے ناقہ پر سوار ہو کر
 پڑھا تھا اور میں نے اس مرتبہ بیان کیا تھا کہ یہ ناقہ کے ادھر سوار ہونا خطبہ پڑھنے

”کیا اتنی باتیں جو میں نے بیان کیں ان میں سے کوئی تمہارے روئے کے لئے میرے خون بہانے سے کافی نہیں ہے۔“

پھر آپ نے ارشاد فرمایا فان كنتم في شك من هذا القول فتشككون انما ما اتي ابن بنت نبيكم۔

اگر تمہیں اس حدیث میں شک ہو جو میں نے تمہارے سامنے پیش کی تو اس میں بھی کیا کوئی شک ہے کہ میں تمہارے بنی کا نواسا، تمہارے پیغمبر کی اکلوتی بی بی فاطمہ کا فرزند ہو۔
فواللہ ما بین المشرق والمغرب ابن بنت نبی خیر منکم ولا من غیرکم انا ابن بنت نبیکم خاصۃ۔

دیکھئے! اہم جیسے اپنی واحد خصوصیت دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا ذکر نہیں ہے یہود، نصاریٰ، مجوس دنیا کی کوئی قوم جو کسی نبی کو مانتی ہے اس تمام عالم کو مجموعی حیثیت سے فرض کر دے یہ دیکھو کہ دنیا میں ہر وقت کسی نبی کا کوئی نواسا بجز میرے نہیں ہے اور پھر میں تو یہودیوں کا نہیں، نصاریوں کا نہیں، خاص تمہارے بنی کا نواسا ہوں، اب تک یہ وہ چیزیں تھیں جو اسلامی غیرت کو برکھینے کرتی ہیں اور اس کا احساس دل میں پیدا کرتی ہیں۔ اگر سینہ میں دل ہوا دل میں انسانی ہمدردی کے جذبات لیکن اب فساد فی الارض کا الزام تھا جو مصلح کے دہن پر گایا گیا تھا اسکے دفعیہ کے لئے فرماتے ہیں :-

اخرجوا القلوبی بقتل منکم قتلہ ادمالکم استھلکھ او

کہنیکہ میں نے کبھی یہ جانتے ہوئے کہ خدا بھوٹ کو پسند نہیں کرتا کوئی غلط بات اپنی زبان پر جاری نہیں کی ہر۔

وان کذا بتونی فان فیکم من ان سألکم عن ذلک اخبو کما رسلوا جاہر بن عبد اللہ الانصاری واباسعید الخدری و یحییٰ بن الساعی اور یزید بن ارقم و انس بن مالک یخبرو کما انہم سمعوا منہ المقاتلہ من رسول اللہ صلی و آلیہ و آلہ وسلم اگر تم میرے قول کو سچ بھی سمجھو تو بھی تم میں زندہ ہیں ایسے لوگ کہ اگر ان پر درستی کرو تو وہ تمہیں بتلا دیں گے۔ جاوہار بن عبد شمر انصاری سے پوچھ لو۔ ابوسعید خدری دریافت کر لو یسہل بن سعد ساعدی۔ زید بن ارقم۔ انس بن مالک ان میں کسی ایک سے تحقیق کر لو۔ وہ تمہیں بتلا دیں گے کہ انہوں نے خود رسالت اکرام سے میرے بارے میں اور میرے بھائی کے بارے میں یہ الفاظ سنے ہیں۔

ذرا آپ غور کیجئے کہ وفات رسولؐ سے لیکر واقعہ کربلا تک کتنا عرصہ گزرا ہے؟ یہ پچاس برس کا طویل زمانہ سناٹے سے لاکھ تک اس پچاس برس میں کتنے صحابہ جو دنیا سے اٹھ گئے۔ انسان کی عمر طبعی کے لحاظ سے یقینی ایک بہت بڑی اکثریت صحابہ نبی کی وہ بڑی جوا ٹھہر چکی ہو اور اب کم مقدار میں صحابہ موجود ہیں لیکن ان میں سے جو وہ ہیں اتنے صحابہ شاہد علیؑ ہیں اور ذاتی علم رکھتے ہیں حدیث رسولؐ کا جو سننے کے بارے میں تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہو کہ روایت کے اس عظیم الشان قوا تہ کے درجہ کا جو اُسے حاصل تھا۔ پھر ارشاد فرماتے ہیں۔ اذما فی ہذا حاجزکم عن سفک حرمی

سردار تھا۔ گویا ہر ایک ان میں سے ایک نہیں تھا بلکہ ہر ایک ہزار ادا و مدار
مجموعہ کا نام تھا اس لئے ان افسروں کو پکار کر اپنے فرمایا۔ اے شبت بن ربیع
اے جابر بن محمد اے قیس بن اشعث۔ اے یزید بن عمارت کیا تم نے مجھے نہیں لکھا
تھا کہ کیتیاں لہلہا رہی ہیں۔ چشمے باڑی سے پھلک ہو رہیں۔ لشکر آپ کی اطوار
کے لئے طیار میں تشریف لائے اور جلد آئیے۔

”قاتلان حسین کا مذہب“ رسالہ میں میں نے تفصیل سے لکھا ہے کہ وہ خطوط
جو عموماً جماعت شیعہ کی طرف سے گئے تھے ان کے مضامین دوسرے تھے لیکن خصوصاً
خط جس میں ان خاص اشخاص کے دستخط تھے جو بعد میں واقعہ کربلا میں شریک ہوئے
اور جو سب کے آخر میں بھیجا گیا تھا اس کا مضمون یہی تھا جس کا حوالہ امام نے دیا۔

ایسا ملان اشخاص کے لئے نازک تھا۔ چار آدمیوں کو پکارا جا رہا تھا کہ تم نے
مجھے کیا یہ نہیں لکھا تھا: اتنے مجمع کے سامنے گویا اس بڑے مجمع کے سامنے ان لوگوں
کی سازش کا اور منافقت کا انکشاف ہو رہا تھا اور خود اپنی حکومت کے ایک طرح
کی بغاوت ان کی ثابت ہو رہی تھی۔ کیونکہ وہ لوگ کوفہ کے بڑے سربراہ اور وہ شخص
تھے اور ان زیادہ کی طرف سے بڑے معزز عہدوں پر فائز تھے! انہوں نے اس موقع پر
یہ خط ہول کے رخ کو دیکھ کر لکھا تھا کہ حسین کے نام اتنے کثرت سے خطوط جا رہے ہیں
اور دعوت دی جا رہی ہے اگر کہیں حسین آگئے اور فضا ان سے موافق ہو گئی تو ہمارے
لئے بھی جگہ باقی ہے اپنے ان عہدوں پر قائم رہنے کی۔ اس لئے انہوں نے

بقصاص من جراحة .

”نما مجھے بتلاؤ میری نسبت فساد فی الارض کی کوئی مثال پیش کرو کیا کسلی یہ
خون ہمایا ہر جس کا مجھ سے ملالینا چاہتے ہو یا تمھارا کچھ مال و دولت میں نے برباد
کر دیا ہر اس کا عوض منظور ہی کسی کو کوئی معمولی سازخم بھی میں نے لگایا ہر جس کا قصاص
لیا جا رہا ہے۔ تمام لشکر کو دعوت دی جا رہی تھی کہ کوئی شخص کسی جرم کا پتہ دیرے۔
کوئی گناہ ثابت کرے۔

ہو تا کوئی جرم کسی کی نگاہ میں نہ ہو اس ۳۰ ہزار کے مجمع میں کوئی زبان کھولتا۔
کیا دنیا کی کوئی مادی طاقت زبانوں کو روکنے والی تھی مگر معلوم ہوتا ہے کہ سچائی کی طاقت
تھی جو ہنوں پر قفل در زبانوں پر گروہ لگائے ہوئے تھی جس کی بنا پر ایک فرد فرید
انسان اس طرح دعوت دے رہا تھا کہ کسی کو اسکے خلاف زبان کشائی کی جرأت نہیں
تھی سب خاموش تھے کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ اب حضرت خصوصی حیثیت سے مخاطب ہوئے
حسب گفتگو میں یہ صورت پیش آ چکی تھی کہ جب اجتماعی صورت سے بدل کفر کی طرقت
دیکر یہ کہا گیا کہ تم نے مجھے خطوط لکھے تو نے کہا کہ میں تو خطوط لکھنے والوں میں
نہیں تھا۔ اس لئے اس موقع پر ان لوگوں کو مخاطب کر کے جنھوں نے خطوط
بھیجے تھے بکا را۔

یہ لوگ معمولی درجہ کے سپاہی نہ تھے۔ اگر معمولی درجہ کے سپاہی ہوتے تو انکو
اچانک کوئی حمل نہ تھا لیکن یہ لوگ وہ تھے جنھیں سے ہر ایک ہزاروں دیکھا

یہ آخری موقع تھا کہ جس کے بعد علم حجت کی منسوختی ختم ہو گئی جس کے بعد پھر
 آدم سے تیرا آنے لگے، پھر جنگ میں کوئی موقع تاخیر کا باقی نہ رہا۔ اس کے بعد
 آپ کے اہل خانہ و سبائے ام کے ساتھیوں کے ساتھ ہمارے قدم قدم تھے یہاں تک
 نصیحت کی، ہر ایک نے دعوت دی۔ زہیر بن القین باہر نکلے۔ پیچھا دوں کی آواز سننے
 لگے میں ڈوبے ہوئے بکا کر کہا: یا اہل کوفہ نذا رکم من عذاب اللہ
 نذا رکم لے اہل کوفہ خدا کے عذاب سے تم کو ڈراتا ہوں، خوف خدا سے کام لو۔
 ذرا دیکھئے لب لہجہ پر غور کیجئے۔ انتقام کے جذبات کا پتہ نہیں۔ اتنے
 مظالم کے بعد۔ اتنی سختیوں کے بعد بھی ہمدردی کا پہلو نہ ہو۔ فرماتے ہیں:-
 ان حقا علیہ لم نصیحتہ اخیه المسلم دخی حتی الان اخوة و علی
 دین واحد و ملت واحدة ما لم یقع بیننا و بینکم السیف و انتم للنصیحة
 منا اهل فاذا وقع السیف انقطعت العصمة فکنا امة و انتم امة۔
 دیکھو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے برادر مسلم کو خیر خواہی کے ساتھ نصیحت
 کرے اور سچا مشورہ دے اور ہم تم ابھی تک بھائی بھائی ہیں اور ایک ہی دین،
 ایک ہی ملت پر ہیں جن تک عملی طور پر تلوار ہمارے درمیان میں نہ کھینچی اے قیوت
 تک تم مستحق ہوا سبابت کے کہ ہم تم کو نصیحت کریں اور نیک صلاح دیں بے شک
 جب ہمارے ہاتھ تلوار سے قطع ہو جائیگا۔ پھر ہم ایک فرقہ ہو گئے اور تم دوسرا فرقہ۔
 اسلامی کا رشتہ قطع ہو جائیگا۔

یہ خط بھیجا تھا مگر یہاں سازش منکشف ہو رہی تھی۔ اب محل تھا اس کا کہ کربلا کے واقعہ کے بعد ابن زیاد کے ہاتھ سے ان لوگوں کا فیصلہ ہو جائے اور وہ خود اپنی سلطنت کی جانب سے راندہ بارگاہ قرار دئے جائیں۔

اسلئے بر بنائے ضرورت اُن کو یہاں پر پونا ناگزیر تھا۔ مگر بولنا بے غیرتی کے ساتھ وہ بولنا جس میں خود چہرہ کی ہوائیاں بولنے والے کے جھوٹ کی ترجمانی کر دیتی ہیں! انہوں نے کہا اور وہی کہا جو اب بھی برابر عدالتوں میں ہو کر تارہو یعنی تحریریں سے انکار کیا اور کہا کہ ہم نے اس طرح کے خطوط نہیں لکھے تھے۔ ظاہر ہے ہوتو اس کا کوئی ثبوت بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

امام نے فرمایا بسمان اللہ ملی واللہ لقد فعلتم۔
مطلب یہ تھا کہ اللہ اکبر اتنا کھلا ہوا بھی حقیقت کا انکار ہوتا ہے۔ تم نے لکھا اور یقیناً لکھا۔

اسکے بعد ارشاد کیا ایتھا الناس ذکھتمونی فدعونی انضرم عنکم
الی ما معنی من الارض۔

اچھا اگر تم نے نہیں کھانا سہی۔ اب گویا جتنی پہلی باتیں تھیں وہ منہ ختم ہو گئیں
وہ حدیث نہ سہی۔ وہ امتیازات نہ سہی۔ وہ خطوط نہ سہی لیکن اب بھی یہ صورت ہے
کہ اگر تم میرے کہنے کو ناپسند کرتے ہو تو مجھے واپس چلا جانے دو جہاں سے
میں آیا ہوں۔“

جادو ہاڑی۔ حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کا قتل کرنے والوں کو تھا۔ یہ حجر صحابہ رسول میں سے تھے مگر ان کو قتل کر دیا گیا۔ ان کے قتل سے تمام عالم اسلامی میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی تھی چنانچہ ام المومنین عائشہ نے خود معاویہ سے کہا اما خشیت اللہ فی قتل حجرو اصحابہ ۵ تم نے حجرو ان کے صحابہ کے قتل میں اسے خوف نہ کیا؟“

اور عبد الرحمن بن عوف نے حرت واقعہ سننا تو چھین مار مار کر روئے لگے تھے۔ حجر بن عدی آن بنی مرثبہ فقہائے صحابہ میں سے تھے جن کے افعال شرع کے احکام میں بطور سند پیش کئے جاتے تھے۔ چنانچہ محمد بن سیرین سے جب فرمایا گیا کہ دو رکعت نماز قتل کے وقت پڑھنا شرع میں وارد ہے یا نہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ صلاھا خبیث حجر و ما فاضلان یہ دو رکعت نماز قتل کے وقت خمیس باہر حجر ان دونوں بزرگوں نے پڑھی تھی اور یہ دونوں قاتل صحابہ ہیں تھے، معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ میں ان کے افعال سے استناد کیا جاتا تھا ایسے جلیل القدر انسان کو جب قتل کیا جائے تو کیا یہ فساد کا مصداق نہ ہوگا۔

زہیر بن قین کی اس تقریر کا جواب کیا تھا؟ وہی جو ہر بے جوابان دیتا ہے۔ لوگوں نے گالیاں دینا شروع کر دیں اور کہا کہ اب ان باتوں سے کام نہیں چلیگا ہم تمہیں بھی قتل کر دیں گے اور تمہارے سردار کو بھی۔ جب تک ناکلی تاریخ میں یہ گفتگو اندر اس کا جواب موجود ہے دنیا کے سامنے ظاہر ہے کہ مصلح

ان الله قد ابتلا ناولياكم ربذرة نبيه محمد لن يظروا محسن
وانتم عاملون -

مذہب لے ہارا اور تمہارا امتحان لیا ہے اپنے نبی کی اولاد کے بارے میں
تاکہ معلوم ہو کہ تم کیا طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔

انا ندعوكم الى نصرهم وخذلان الطاغية عبيد باقة بن نذير فانكم
لا تدركون غما الا بوعمر طاعنا ملة ليملان اعينكم ويقطعا يدكم
دارجلكم وعتلان بكم ويزفعا نكم على جذوع النخل و يقتلات اما نكم فمقر لكم
امثال حجر بن عدى واصحابه ومائ بن عرفة و اشباہہ .

”ہم تمہیں دعوت دیتے ہیں کہ ان کی اطاعت کرو اور کیش اور طاغی عبيد اشتر بن
زید کا ساتھ نہ دو۔“ اب ملاحظہ ہو فساد فی الارض کے اقسام کی فہرست جو زیاد
اور اسکے بیٹے عبيد اشتر کی طرف سے رد و نا ہوئے ہیں : دیکھو تو ان دونوں کے
زمانہ سلطنت میں تمہارے لئے سوائے برائی کے کوئی اچھائی نہیں ہو سکتی۔
یہ لوگ تمہاری آنکھوں میں سلامیاں پھیر دیتے رہے ہیں تمہارے ہاتھ پاؤں قطع
کراتے رہے ہیں، تمہیں سولیوں پر چڑھائے جاتے رہے ہیں اور تمہارے اچھے
لوگوں کو اور حفاظ قرآن کو جیسے حجر بن عدی اور انکے ساتھی اور ہانی بن عوف
ایسے اشخاص کو قتل کرتے رہے ہیں۔

مسئلہ واقعات کا حوالہ دی۔ فساد کی یقینی مثالیں ہیں۔ نام لے کر بتلایا۔

جا رہی۔ حجر بن عدی ادا کے ساتھیوں کا قتل کرنے والا کوں تھا۔ یہ حجر صحابہ رسول میں سے تھے مگر ان کو قتل کر دیا گیا۔ ان کے قتل سے تمام عالم اسلامی میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی تھی۔ چنانچہ امام المؤمنین عائشہ نے خود معاویہ سے کہا اے خدا کا حبیب! اللہ فی قتل حجرو اصحابہ "تم نے حجر اور ان کے اصحاب کے قتل میں غم و خوف نہ کیا؟"

اور عبد الرحمن بن عوف نے حجت واقعہ سننا تو چھین مار مار کر روئے لگے تھے۔ حجر بن عدی آن بنز مرتبہ قتلے صحابہ میں سے تھے جن کے افعال شرع کے احکام میں بطور سند پیش کئے جاتے تھے۔ چنانچہ محمد بن سیرین سے جب دریافت کیا گیا کہ دو رکعت نماز قتل کے وقت پڑھنا شرع میں وارد ہے یا نہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ صلاھا خبیثہ حجرو صلاھا فاضلان یہ دو رکعت نماز قتل کے وقت غیبی ہے حجر ان دونوں بزرگوں نے پڑھی تھی اور یہ دونوں قاتل صحابہ میں سے تھے، معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ میں ان کے افعال سے استناد کیا جاتا تھا ایسے جلیل القدر انسان کو جہیل کیا جائے تو کیا یہ فساد کا مصداق نہ ہوگا۔

زہیر بن قین کی اس تقریر کا جواب کیا تھا؟ وہی جو ہر بے جواب انسان دیتا ہے۔ لوگوں نے گالیاں دینا شروع کر دیں اور کہا کہ اب ان باتوں سے کام نہیں چلیگا ہم تمہیں سچی قتل کریں گے اور تمہارے سردار کو بھی۔ جب تک نہ کی تاریخ میں یہ گفتگو اور اس کا جواب موجود ہے دنیا کے سامنے ظاہر ہے کہ مصالحت

ان الله قد ابتلا ناولياكم ربذة نبيته محمد لن يظرم الحسن
وانتم عاملون -

”خبر لے ہمارا اور تمہارا امتحان لیا ہے اپنے نبی کی اولاد کے بارے میں
”کہہ معلوم ہو کہ ہم تم کیا طرز عمل اختیار کرتے ہیں“

انا ندعوكم الى نصرهم وخذلان الطاغية عبيد الله بن زياد فانكم
لا تدركونهم الا بوعمر لطاغما ملة ليعملان اعينكم ويقطعا يدكم
وارجلكم وغيلان بكم ويرفعناكم على جذع النخل ويقتلن اما علمكم فمراكم
امثال حجر بن عدی صاحبہ ومائ بن عمره وداشباه۔

”ہم تمہیں دعوت دیتے ہیں کہ ان کی امداد کرو اور سرکش اور طاغی عبید اللہ بن
زید کا ساتھ نہ دو“ اب ملاحظہ ہو فساد فی الارض کے اقسام کی فرست جو زیاد
اور اس کے بیٹے عبید اللہ کی طرف سے رونما ہوئے ہیں : دیکھو تو ان دونوں کے
زمانہ سلطنت میں تمہارے لئے سوائے برائی کے کوئی اچھائی نہیں ہو سکتی۔
یہ لوگ تمہاری آنکھوں میں سلامیاں پھرتے رہے ہیں تمہارے ہاتھ پاؤں قطع
کراتے رہے ہیں، تمہیں سولیوں پر چڑھائے جاتے رہے ہیں اور تمہارے اچھے
لوگوں کو اور حفاظ قرآن کو جیسے حجر بن عدی اور ان کے ساتھی اور بانی بن عمرو
ایسے اشخاص کو قتل کرتے رہے ہیں۔

مسئلہ اوقات کا حوالہ ہے۔ فساد کی یقینی مثالیں ہیں۔ نام لے کر بتلایا

امام وقت کی مخالفت کی ہو؟
 چونکہ یہ الزام صحیح نہ تھا ممکن نہیں تھا کہ مجسمہ حق امام اس پر سکوت کر کے
 گویا اس کو تسلیم کر لے۔

میں نے دیکھ لیا کہ تیس ہزار ایک طرف اور ایک داعی حق ایک طرف اور یہ
 ایک صدر المذمتی جو اتنے بڑے مجمع کے سامنے حق کو ظاہر کر رہی تھی اور ان کی
 فساد کاریوں کا پتہ دے رہی تھی۔ اور اس ایک کی آواز پر ان کو جرأت نہ تھی کہ
 وہ کچھ کہہ سکیں لیکن اجمالہ پر فکس ہو۔ اب حسین پر الزام قائم کر رہے ہیں۔
 حسین خاموش رہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ مذکورہ بالا الفاظ کا سننا تھا
 کہ امام نے فرمایا۔

یا عمر بن الخطاب اعلیٰ تعرض الناس عن مرتقا وانتم تثبتم علیہ
 اما والله لتعلمن لو قد قبضت ارواحکم ومتم علی عاملکم اثنا مرق
 من الدین ومن هو اولی بصلی الناس۔

”اے عمر بن خطاب۔ تو میرے خلاف لوگوں کو آمادہ کر رہا ہو؟ کیا تم میں
 سے نکل گئے ہیں اور تم دین پر قائم ہو؟ اس استفہام انکاری میں ایک نیا
 ہے اظہار حق کی جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے موازنہ کی صورت سے قائم ہے عقلائے
 عالم کے دماغوں کے سامنے اور صنفین دنیا کی نگاہوں کے آگے۔ اس طرف کا
 طرز عمل اور اس طرف کا دلوں میں پیش ہیں اور ہمیشہ پیش رہیں گے۔ اور یہ الفاظ

کون اور مفسد کون؟

باوجودیکہ یہ امر صاف طور سے ظاہر ہو گیا کہ کس کی جانب سے اصلاح تھی اور کس کی جانب سے فساد مگر پھر بھی امام حسینؑ کے مخالف اپنے افعال کو حمایت دین کا لباس پہنانا چاہتے تھے اور اپنے عمل کو مذہب کے تحت میں بتلا رہے تھے اور اُس ہرمنہ تن مجسمہ دین کو۔ ہاں ہاں یہ حقیقت ہے کہ مجھے اسلام کو سمجھانے کے لئے کہ اسلام کیا ہے؟ حسینؑ کی شخصیت سے بڑھکر حوالہ نہیں ملتا ہے۔ میں اسلام کے عملی معنی حقیقی طور پر سمجھاؤں گا تو ایک ہی شخص دنیا کی تاریخ میں پیش کرنے کیلئے لیگا جس کا نام ہے حسینؑ۔

مگر اُس کے خلاف الزام کیا ہے؟ وہ ہی جو موسیٰ کے خلاف فرعون کی طرقت سے عائد کیا گیا تھا کہ وہ تمھارے دین میں تبدیلی کر رہے ہیں۔ حین کو کہا جاتا تھا کہ وہ معاذ اللہ دین سے منحرف ہو گئے ہیں۔ ملاحظہ ہوتا ہے تاریخ کا یہ واقعہ کہ جب جنگ جہنم چلی ہو اور چند اصحاب شہید ہو چکے ہیں۔ اس موقع پر عمرو بن حجاج اپنی جماعت کو ترغیب تحریریں کرتا ہوا ردہ کہتا ہے۔

يا اهل الكوفة الرمو اطاعتكم وجماعتكم ولا تزالوا في قتل من
مرق من الدين وخالف الامام -

”اے کوفہ کے لوگو تم اطاعت کے راستے پر قائم رہو اور اپنی جماعت سے علیحدہ نہ ہو اور کوئی شخص نہ کر دے ایسے شخص کے قتل کرنے میں جو دین سے نکل گیا ہو اور جس نے

باقی رہ گئی۔

میں واقف کہ ایسے الفاظ میں پیش کرنا چاہتا ہوں کہ غم انگیزی کا اثر اُس کے معانی و نتائج کی طرف سے فاضل نہ بنائے جا رہا ہوں جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اُسکے نتیجہ پر آپ غور کریں۔ یہ تذکرہ بہن آن الفاظ میں کر دوں جو مصیبت کے شایان شان ہیں اور اس میں اثر غم پیدا نہ ہو تو مصیبت کی توہین ہو اور اگر مصیبت کا اثر ڈالے گا ارادہ کروں تو میرا مقصد فوت ہو جائیگا۔ ذرا اس موقع پر مجھے دشواری محسوس ہوتی ہے۔ میں تذکرہ وہ کر دوں جو جلسہ دعوت کو مجلسِ بندے کیونکہ تذکرہ ہی ایسا ہو جو ڈالے بغیر رہنے کے لیکن اگر آپ اس سے اثر لیکر جذبات غم میں متغرق ہو گئے تو جو نتیجہ میں چاہتا ہوں اُس پر غور کر نیکامی حاصل باقی نہ رہیگا اسلئے الفاظِ دادہ استعمال کرنا چاہتا ہوں جو تذکرہ غم کو عقلی لباس میں پیش کریں۔

بہر حال وقت وہ ہو کہ مادی طاقت نے اپنی فتح کا مجسمہ ملک کے سامنے پیش کر دیا ہو گویا باطل نے اپنے دل کی بٹھراں نکال لی ہو اور اپنی جانب سے حق کو پست کرنے کی کوئی تدبیر اٹھانہیں رکھی ہو مگر وہ حق ناحق ہے جو ایسے موقع پر واقعی دب جائے۔

ملاحظہ کیجئے ذرا دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نکالئے تلاش کیجئے کہ ایک کمزور مخلوق جس کا نام ہر عورت وہاں اس محل میں اور ایسے نازک وقت میں اُس جادہ پر قائم رہے جس پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ کھلا ہے تھے۔

کانوں میں بار بار گونجنے لگے :- اخن مر قنا فانتم تثبت علیہ "کیا ہم دین کو
کھل گئے اور تم دین پر قائم ہو۔ پھر فرماتے ہیں۔

اس کا پتہ تم کو اس وقت چلیگا جب تمہاری رو میں ان کی جبروں سے
جدا ہو گئی اور انہی اعمال کے اور پر تم دنیا سے روانہ ہو گے۔ اس وقت معلوم ہو گا کہ
ہم ہیں سے کون دین سے نکلا تھا اور کون آتش جہنم میں جلنے کا دائمی مختار ہے۔
بے شک حسین کا قتل مذہب کے نام پر ہو رہا تھا۔ مذہب کے پردہ میں ہو رہا تھا
اور اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ حقوق سائب کئے جاتے جو ایک مسلمان کو شریعت کی طرف
سے حاصل ہیں مجھے مصیبت کے تذکرہ کی عادت نہیں کہ میں ان الفاظ میں نہیں
کہنا چاہتا جو اس جلسہ عظیم کو مجلس مصائب بنادیں مگر اپنا مطلب مجھ ابھی منووی
ہو میرا مطلب یہ کہ کچھ حقوق وہ ہیں جو اسلام نے ہر مسلمان کے لئے قرار دیے ہیں
لیکن حسین کے لئے ان حقوق کو نظر انداز کر دیا گیا۔

اب سنئے موقع نازک سے نازک تر ہوتا جاتا ہے۔ حق اور باطل کا فیصلہ ہو چکا
اور اب وہ وقت ہو کہ داعی حق کے باقیات الصالحات مرکز فساد میں لائے گئے
ہیں۔ داعی حق کے باقیات الصالحات یعنی الحرم مرکز فساد یعنی ابن زیاد کا پاؤں
اپنے خیال میں فتح حاصل کرنے والا سرکش انسان فتح و ظفر کے نشہ میں غرور کیا تھا
تحت ہر ٹھکانہ اور اپنی فتح کے مظاہرہ کا انتہائی نمایاں نقشہ پیش کر رہا ہے کیا کوئی
کہہ سکتا ہے کہ اس وقت حق کی پامالی میں کوئی کمی اور باطل کی فتح میں کسی کمی

بڑی سیاسی غلطی تھی۔ اہلبیت کو یوں لیجانا ایک جگہ سے دوسری جگہ۔ یہ صرت
 جذبات نفسی اور مادی فتح کے نشہ میں کام ہوا ہے اور اس کا مظاہرہ کیا گیا کہ
 لیکن سیاست کے اعتبار سے یہ بہت بڑی غلطی تھی کیونکہ اس طرح درحقیقت حسینؑ
 کی خاموش زبان کو گویا کر دیا۔ ورنہ اہلبیت حسینؑ لاکھ جانتے اُن کو نشر و
 اشاعت کا موقع کہاں ملتا اگر دشمن خود ذریعہ بن گئے اس مقصد میں کیا میاں کا
 آپ ملاحظہ کیجئے کہ وہ مقامات وہ جگہیں جہاں تمام کیا گیا تھا۔ اس کے
 پہلے حق کی پردہ داری کا وہاں واقعات کا انکشاف کس طرح ہوا۔ اگر نہوتا
 جو کچھ کیا گیا تو یہ نتیجہ کیونکر برآمد ہوتا۔ ان مقامات پر ظلم اور ظلم کا نقشہ
 کیونکر پیش ہوتا۔

وہ سب پہلا موقع عبرت۔ ابن زیاد کا دربار۔ بیشک حکم اسلامی جو
 عورت کیلئے پردے کے متعلق ہے رہنمائے اسلام کے ذمہ دار افراد بہر حال اہل خانہ
 اپنے سے متعلق ہے اپنے طرز عمل سے غالباً ہے خود آگاہ اس کا اہتمام بہر وقت نظر
 تھا اسلئے یہاں یہ جگہ لبست خدینا بنت فاطمہ داخل تھا عیاد فتنوت
 وحف ہا اماؤھا۔

ظاہر ہے کہ اہلبیت بہت قیمتی کپڑے کبھی بھی نہیں پہنتے تھے مگر اس
 موقع پر جانبِ نبیؐ کے وہ عام کپڑے کہ جیسے پ پنا کرتی تھیں ان کو بھی پہنا تھا
 بلکہ بہت سیت اور معمولی درجہ کے کپڑے اپنے پہنتے تھے اور لباس میں بالکل تبدیلی

یعنی اگر فساد فی الارض کا الزام کھایا جانے لگے تو اسے دفع کرنے والے دین سے
انحراف ثابت کیلئے لگے تو اسے رد کر دے۔

میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ بہت سی واقعات پر دنیا حیران ہوتی ہے اور ان کا
دوران انسان کی سمجھ میں نہیں آتا جو خصوصاً بڑے لوگوں کے افعال کو دیکھ کر ایسے ہوتے ہیں
اگر عام افراد کے دماغ ان مصلحت کی طرف تک ہمیشہ پہنچ جایا کریں تو بڑے لوگ
بڑے اور چھوٹے چھوٹے کیسے سمجھے جائیں۔

دنیا حیران ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ جسے اتنا بڑا مقصد حاصل کرنا ہو
جو حسین کے پیش نظر تھا یعنی جسے مادی طاقت کو ہمیشہ کے لئے پامال بنانا ہو
اور روحانی طاقت کو قائم کرنا ہو وہ اپنے ساتھ ایسے افراد کو لیکر آئے جن کو ایسے
محل نہیں لانا چاہیے یعنی عورتیں اور بچے مگر میں سچ کہتا ہوں کہ مسلک شیعہ
جہاد اور نوعیت شہادت بدل جائی اگر اہل حرم کا ساتھ نہوتا۔

آپ نے دیکھا کہ امام حسن زہر سے شہید کئے گئے مگر اس وقت تک مسئلہ
مشتبہ پھر کر ملک کے بلے آگیا میدان میں ستر بہتر آدمی جو قتل ہو جاتے۔
کوئی بتائے فالما کہاں ہوتا کہ ان کا مسلک اور طرز عمل کیا تھا۔

اب تو قاتل افراد کی زبانیں ہوتیں اور مقتولین کے جرائم کی فہرست اور
ادھر سے کوئی جواب نہ دے والا ہی نہوتا۔

بہر حال صورت حال اس طرح سے تھی میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ایک

بڑی سیاسی غلطی تھی۔ اہلبیت کو یوں لیجانا ایک جگہ سے دوسری جگہ یہ صرٹ
 جذبات نفسی اور مادی فتح کے نشہ میں کام ہوا ہے اور اس کا مظاہرہ کیا گیا ہے
 لیکن سیاست کے اعتبار سے یہ بہت بڑی غلطی تھی کیونکہ اس طرح درحقیقت حسینؑ
 کی خاموش زبان کو گویا کر دیا۔ ورنہ اہلبیت حسینؑ لاکھ جانتے اُن کو نشر و
 اشاعت کا موقع کہاں ملتا اگر دشمن خود ذریعہ بن گئے اس مقصد میں کیا میابی کا
 آپ ملاحظہ کیجئے کہ وہ مقامات وہ جگہیں جہاں تمام کیا گیا تھا اس کے
 پہلے حق کی پردہ داری کا وہاں واقعات کا انکشاف کس طرح ہوا اگر نہوتا
 جو کچھ کیا گیا تو یہ نتیجہ کیونکر برآمد ہوتا۔ ان مقامات پر ظالم اور مظلوم کا نقشہ
 کیونکر پیش ہوتا۔

دہ سب سے پہلا موقع عبرت۔ ابن زیاد کا دربار۔ بیشک وہ حکم اسلامی جو
 عورت کیلئے پردے کے متعلق ہے رہنمائے اسلام کے ذمہ دار افراد ہر حال اچھا نیک
 اپنے سے متعلق ہے اپنے طرز عمل سے وابستہ ہے خود ان کو اس کا اہتمام بہر وقت و نظر
 تھا اسلئے یہاں یہ ہجر کہ لبست نہ یذنب بنتہ فاطمہ داخل تھا یا وقت نکلتی
 دھنچھا اٹھا دھا۔

ظاہر ہے کہ اہلبیت بہت قیمتی کپڑے کبھی بھی نہیں پہنتے تھے مگر اس
 موقع پر جناب زینبؑ نے دہ عام کپڑے کہ جیسے آپ پہنا کرتی تھیں ان کو بھی پہنا دیا
 بلکہ بہت سست اور معمولی درجہ کے کپڑے اپنے پہنتے تھے اور لباس میں بالکل تبدیلی

یعنی اگر فساد فی الارض کا الزام لگایا جائے تو اسے دفع کرنے کے لئے اگر دین سے انحراف ثابت کیلئے لگے تو اسے رد کر دے۔

میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ بہت سی واقعات پر دنیا حیران ہوتی ہے اور ان کا راز انسان کی سمجھ میں نہیں آتا جو خصوصاً بڑے لوگوں کے افعال اکثر ایسے ہوتے ہیں اگر عام افراد کے دماغ ان مصلح کی تر تک ہمیشہ پہنچ جایا کریں تو بڑے لوگ بڑے اور چھوٹے چھوٹے کیسے سمجھے جائیں۔

دنیا حیران ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ جسے اتنا بڑا مقصد حاصل کرنا ہو جو حسین کے پیش نظر تھا یعنی جسے مادی طاقت کو ہمیشہ کے لئے پامال بنانا ہو اور روحانی طاقت کو قائم کرنا ہو وہ اپنے ساتھ ایسے افراد کو لیکر آئے جن کو ایسے محل نہیں لانا چاہیے یعنی عورتیں اور بچے مگر میں سچ کہتا ہوں کہ مسلک شیعہ رہ جاتا اور نوجویمت شہادت بر لجائی اگر اہل حرم کا ساتھ نہوتا۔

آپ نے دیکھا کہ امام حسن زہر سے شہید کئے گئے مگر اس وقت تک یہ مسئلہ مشتبہ ہے پھر کہ ملک کے بے لگائی گیا میدان میں ستر ہتر آدمی جو قتل ہو جاتے۔ کوئی بتانے والا کہاں ہوتا کہ ان کا مسلک اور طرز عمل کیا تھا۔

اب تو قاتل افراد کی زبانیں ہوتیں اور مقتولین کے جرائم کی فہرست اور ادھر سے کوئی جواب نہ ملتا۔

بہر حال صورت حال اب اس حد تک تھی میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ایک

اسے پہنچا کہ ہر دو کا خیال مس کر رہا گیا۔ اس کا سلام سوال اس نے
 اے جناب زینب! خوش نہیں رہیں۔ اب اگر خاموش رہیں تو حق پر دھبا آسکتا ہے۔ ذرا
 اقتدار نفس دیکھئے، عورت دیکھئے، بلند نفس ملاحظہ کیجئے، غفلت کا اندازہ کیجئے یہ جہان
 پستی ایک چیز ہے اور نفس کا بلند ہونا دوسری چیز۔ یہ تاریخ طبری جو جس میں لکھا ہے کہ
 جناب نے فرمایا۔

الحمد لله الذی کومناجیہ صلی اللہ علیہ وسلم طعنا تلہیوا
 لکما نقول غافقہ الفاسق ویکذب لافاجو۔

”حمد ہو اس خدا کے لئے جس نے ہم کو عزت دی محمد مصطفیٰؐ کے ساتھ اور خود میں
 پاک پاکیزہ قرار دیا اس طرح جو حق پر پاکیزہ قرار دینے کا۔ نہ دیکھو کہ جو تو کہتا ہو دیکھئے یاد کیجئے
 وہ فرعون کی طرح الزام ہوئی ہے کہ تم مفسد ہو اور موسیٰؑ کا اسکے جواب میں یہ کہنے کے بجائے کہ
 نہیں مفسد تم ہو ایک صولی جواب دینا کہ مفسد وہ ہو گا جس کا دعویٰ باطل ہو جائے بالکل
 اسی شان سے یزید کا یہ کہنا کہ خدا نے تم کو رسا کیا اور تمہارا جھوٹ ظاہر کیا۔ اس کا
 جواب یہ دیا جاتا کہ رسوا ہو گئے تم اور جھوٹ ظاہر ہو گا تمہارا اگر اس میں بالکل جذبہ
 انتقام ظاہر ہوتا ہے جواب یا جناب نے صولی جواب کلیہ کے طور پر جواب معلوم
 ہوتا ہو کہ دراصل دل کی بھر اس کا نشانہ نہیں ہے۔ یہ مردوں کا ذکر نہیں ہے اس کا تذکرہ
 ہے جس میں جذبات کی فراوانی ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

”رسوا تو وہ ہوتا ہے جو فاسق ہو اور جھوٹ اس کا ظاہر ہوتا ہے جو ناجائز ہو۔“

کر لی تھی اور نیروں نے گرد آگے حلقہ باندھ لیا تھا۔
یہ ایک عنوان تھا پردہ کا جسے آپ نے اُس وقت اختیار کیا تھا لیکن جب
آپ کو بیٹھیں تو عبید اسد بن زیاد نے کہا یہ بیٹھے والی عورت کون ہے؟ آپ نے
کچھ جواب نہیں دیا۔ ابھی تک پردہ کا خیال ہے۔ تین مرتبہ اُس نے دریافت کیا
آخر کسی نے بتلادیا کہ یہ زینب فخر حضرت فاطمہ ہیں۔ اب بن زیاد توجہ ہوا
اور کہا الحمد للہ الذی فضلكم وقتلکم واكذب خد وثنتکم "شکر ہو خدا کا
جس نے تم کو رسوا کیا اور تمہیں قتل کیا۔ اب اسکے بعد وہ چیز ہے جو حق اور باطل
کو مستتبہ کرتی ہے وہ یہ فقرہ ہے کہ جھوٹ کھلا دیا تم لوگوں کا۔ پہلے دو فقروں کے
اد پر جانبِ نینب خاموش رہیں۔ اور اب بھی خاموش رہیں اسلئے کہ وہ مغرور ابن
نیا د کا اپنے طرزِ عمل پر اظہارِ مسرت تھا اور موجودہ صورتِ حال جیسے وہ اہلبیت
کی رسوائی سے نفی کر رہا تھا اُس میں شبہ نہ ہی کیا تھا اور اُس پر اُسے خوش ہو نیکا
موقع بھی حاصل تھا اگر تیسرے فقرہ کے اد پر جانبِ نینب کو سکوت کرنا دنا تھا۔
کذب اور اکذب میں فرق ہے کہ کذب کے معنی ہیں کسی کو جھٹلانا چاہے حقیقت وہ سچ ہی
کیوں نہ ہو اور اکذب کے معنی ہیں جھوٹ کا دکھلا دینا۔ اُس نے اکذب کی لفظ
استعمال کی ہے جس کے معنی یہی ہوئے کہ خدا نے تم لوگوں کی باتوں کا جھوٹ کھلا دیا۔
"تم لوگوں کی باتیں" یہ فقرہ بڑا وسیع ہے۔ اس میں حادثاتِ قرآن کے
تعلیقاتِ وحی کے تذکرے سب ہی آجاتے ہیں۔

سزا دی جاتی ہے؟ عورت کی کسی بات کی سزا ہے اور نہ کسی غلطی پر اسے ملامت کی جاسکتی ہے۔
 مگر ابن زیاد کا دل نہیں مانتا اس کے دل کو شکست کا احساس ہے جس کی وجہ سے یہ
 نہیں ہوتی۔ پھر اس نے جنابِ نبی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

قد اشفی الله نفسی من طاغیتک والعصاة المردحة من اهل بیتک۔
 ”خدا نے میرے دل کی مراد پوری کر دی تمہارے سرکش بھائی اور تمہارے گھرانے کے
 دوسرے نافرمان اور باغی اشخاص سے۔“

یہ فسادی الاضام کا الزام ہے۔ طغیان اور سرکشی اور مردود عصیاں کا حملہ ہے۔
 لیکن استدلالی بات کوئی بھی نہیں دل کو ایک چوٹ لگانا تھی وہ لگی اور جنابِ نبی کی
 آنکھوں سے آنسو نکل آئے مگر انہوں نے جواب دیا۔

لعمری لقد قتلت کھلی فابنت اہلی و قطعت فرعی واجتثت صلی
 فان یشفاک هذا فقد اشتفتیت۔ ”ہاں بے شک تو نے میرے جوانوں کو قتل
 کر ڈالا۔ میرے عزیزوں کا خاتمہ کر دیا۔ میری شاخوں کو کاٹ ڈالا اور میری جڑ کو کھا کر
 پھینک دیا۔ اگر تیری مراد اس سے بگائی ہے تو بے شک اس سے خوش ہو لے۔“

شکست اور پھر شکست۔ ابن زیاد نے کہا اھذا سجاۃ قد لعمری کان ابواک
 شاعوا مجاعا یہ بڑی قافیہ باز عورت ہے اور تمہارے باپ بھی تو زینب عرواقہ فیہ باز تھیں
 یہ فصاحت و بلاغت کا اعتراف ہے جو اس صورت میں کیا جا رہا ہے۔ جنابِ نبی نے
 پھر سکوت نہیں کیا فرمایا۔

اب یہ کوئی بھی ہو۔

اگر غیرت ہوتی تو ابن زیاد کو منفعل ہونا چاہیے تھا مگر وہاں قتار کا نشہ اور
سلطنت کا غرور تھا خواہ خواہ اسے خباثت نیکے دل دکھانے کا خیال پیدا ہوا اور کہنے لگا
قلیہ بنیت صنع اللہ باہل بیتہ۔ اچھا تو نے دیکھا خدائے تمہارے گھر انہواں
کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس طنزیہ فقرہ کے اثر کو کسی عورت کے دل سے پونجھے اور
اسکے بعد خباثت نیک کا اطمینانی جواب دیکھئے فرمایا۔

کتب علیہم القتل فی ذوالی مضاجعہم و سیمیع اللہ بیتہ و بنیہم
فتاحون الیہ و تھا صوموتہ منہ۔

اگر کیا سلوک کیا خدائے ؟! انکے لئے یہ صورت ہونے والی تھی کہ وہ قتل ہوں اس
بنا پر وہ اپنے ابدی خواجگا ہوں کی جانب پر پیروں سے گئے اور عنقریب بے اثر اور انکا
سامنا کر گیا تو وہاں حجت تام ہو جائیگی اور یہ مسئلہ طے پا جائیگا۔

بس شکست کی علامت ہو غصہ نا۔ دو مناظرہ کرنے والوں میں جو وقت گفتگو
کر رہے ہوں ایک کو غصہ آجائے تو سمجھنا چاہیے شکست خوردہ وہی ہو۔ ابن زیاد کو
غصہ آگیا اور غضبناک ہو گیا اور معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ارادہ کیا جس کی بنا پر غرور و ترش
نے کہا:- صلح اللہ لا میدا نا مہی مرأۃ و هل توأخذ المرأۃ بشیء من منطلقھا
انما لا توأخذ بقول ولا تلام علی خطئ۔

”میرے عورت میں اور کہیں عورت کی بھی بات کی گرفت کی جاتی ہے اور اس کی

ابن ندبہ اُھا۔

مطلب تھا کہ قلیل دنہار عالمکان میں رہتا ہی ہو کسی کی فتح کسی کی شکست اس کو دلیل حقیقت نہیں سمجھنا چاہیے۔ یزید کو فتح کی ترنگ جب بدر بڑھی تو وہ دوسرے لوگوں کی طرف متوجہ ہوا۔ دیکھے اب مذہبی شان و شوکت کے علاوہ سلطنتِ ملک کے غرور کا مظاہرہ ہو۔ وہ کہتا ہے۔

اِنَّهُ مِنْ اِيْنِ اِيْ هَذَا قَالَ بِيْ عَلِيٍّ خَيْرٍ مِنْ اَبِيْهِ وَاحِي فَاطِمَةَ خَيْرٍ مِنْ

امہ و جدی رسول اللہ خیر من جده و انا خیر منہ و احق بجدۃ الامرنہ۔

”تم لوگ جانتے ہو ان پر یہ مصیبت کیوں آئی؟ حسین کی دلیلیں ہیں اور انکے خصوصیات ہیں جو دشمن کی زبان پر گہرے ہیں وہ کہتا ہے کہ ”ان کا قول تھا کہ میرے باپ (علی) اس کے یعنی یزید کے باپ سے بہتر اور میری ماں اسکی ماں سے بہتر اور میرے نانا اس کے نانا سے بہتر اور میں خود اس سے بہتر ہوں اور خلافت کا اس سے زیادہ مستحق ہوں“

اب جواب سنئے: فاما قولہ ابوہ خیر من ابی فقد حاج ابی باہ و علم

الناس انہما حکم لہ و اما قولہ اخی خیر من امہ فلعمری فاطمۃ انبۃ

رسول اللہ خیر من اخی و اما قولہ جدی خیر من جده فلعمری ما احد یوحی

باللہ الیوم الاخر یری لرسول اللہ فینا عدلہ و لانا اولکنتہ اما ان من قبل

فقہہ و لعمری قل لا للہم مالک الملک توفی الملک من تشاء و تزع

مال المرأة والجماعة ان لعن السجاعة لسغلا ولكن نفثي ما اقول -

بجلا عورت کو قافیہ بندی اور شاعری سے کیا تعلق اور پھر میں تو اس عالم میں
ہوں کہ مجھے قافیہ بندی کا ہوش کہاں لیکن ضمیر کی آواز ممتی جو میرے دہن سے نکل گئی ہے
یہ ابن زیاد کا دربار تھا۔ اب ذرا موقع کی ہدایت پر رہتی ہے۔ جتنا فرق ابن زیاد
اور یزید کی شان و شوکت میں ہر آشی ہی موقع کے اعتبار سے مادی سطوت و شوکت
کی ترقی بھی ہو گئی۔ یہ یزید کا دربار ہے۔ عالم اسلامی کا اس وقت کا شہنشاہ تخت حکومت
پر ہے۔ وہاں بھی اسی طرح کی صورت پیش آئی ہے۔ جانبِ نبیؐ نے اس موقع پر جو تقریر
کی ہے اس کا تذکرہ اس محل پر نہیں کرنا چاہتا لیکن یہاں امام زین العابدینؑ سے یزید
نے جو گفتگو کی ہے اسے پیش کر کے دکھلانا چاہتا ہوں کہ امام حسینؑ کا شہید کرنا کن خیالات
کے تحت تھا۔ الزامِ یزید کی طرف سے وہی فساد فی الارض کا عائد کیا جا رہا ہے۔ وہ کہتا ہے
یا علی بولك الذی قطع رحمی و جعل حقی و نازعنی سلطانی فصنع الله
به ما قدر ایت -

"اے علی بن حسین تمھارے باپ نے میری قرابت داری کے رشتہ کو قطع کیا اور میرا
حقوق کو نظر انداز کیا اور میری سلطنت میں مداخلت کی تو خدا نے ان کے ساتھ وہ
سلوک کیا جو تم دیکھ رہے ہو۔"

امام نے اس کے جواب میں صرف قرآن کی یہ آیت پڑھ دی -

ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی النفسک الا فی کتاب من قبل

طاقت بھاری نہیں جاسکتا۔ چاہے وہ جنگیر ہو چاہے ہلاکو۔ اور چاہے دنیا کا کوئی اور انتہائی ظالم بادشاہ۔

لیکن کیا یہ واقعی معاہدہ حقیقت ہے؟ اور کیا حقیقت اس کے آگے صداقت و انصاف اور ضمیر کی جانب سے تسلیم خم کیا جاسکتا ہے؟

آپ نے دیکھے وہ تمام الزامات جو عائد کئے گئے اور اس طرح مصلح کے اوپر مفسد ہو نیکا جرم عائد کیا گیا۔ حسین دین سے خارج ٹھہرائے گئے لیکن فتح کس کی ہوئی اور کس کس کو نصیب ہوئی۔ اسکے لئے عالم اسلامی کو دیکھ لیجئے۔

ہزاروں اخلاقیات سہی اور کثیر التعداد فرتے دنیا میں موجود سہی لیکن جہان تک کہ حسین کا تعلق ہے ان میں فراق نہیں ہے۔

تاریخی حیثیت سے لوگ یزید کی حمایت کی کوشش کریں کہ قتل حسین میں یزید کی شرکت نہیں تھی یہ اور بات ہے مگر یہ کہ جس نے حسین کو قتل کیا وہ مجرم سب کے نزدیک دنیا کے تمام مسلمان بہر حال اہلبیت کی محبت میں شریک ہیں! اہلبیت بنی مخصوص شیعوں کے بنی کے اہلبیت نہیں ہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے بنی کے اہلبیت ہیں اور تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ حسین کے قاتل مجرم ہیں۔ گنہگار ہیں۔ اس بات پر تمام عالم اسلامی متفق ہے۔ اس سے میں کچھ نتیجہ نکالنا چاہ رہا ہوں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس وقت کتنے ہی مسلمانوں کے اندر فرتے ہوں در دینی اخلاقیات ہوں لیکن وہ دین فناء ہو گیا جس سے خارج ہو نیکا الزام حسین پر تھا اور جس کے برعکس ان کے قاتل

الملك ممن تشاء وتغوز من تشاء وتذل من تشاء بيد الخيرة انك على كل
شيء قدير۔

وہ ان کا یہ کہنا کہ میرے باپ اس کے باپ سے بہتر تو یہ تو اس سے ظاہر ہو کر میرے
باپ و ان کے باپ کے درمیان جھگڑا ہوا اور دنیا کو معلوم ہے کہ کس کے موافق فیصلہ ہوا۔
دیر اس فریر کا راز راز نشی تجسیم کی طرف اشارہ ہو لیکن دنیا کو معلوم ہے کہ اس کے بچہ کو
کسی فریق نے بھی تسلیم نہیں کیا اور وہ ایک باز بچہ طفلانہ سے زیادہ وقیع نہیں سمجھا
وہ گیا یہ ان کا کہنا کہ انکی ماں میری ماں سے بہتر تو اس میں کوئی شبہ نہیں
کہ رسول کی بیٹی فاطمہ میری ماں سے بہتر تھیں اور یہ کہنا بھی کہ ان کے نانا میرے
نانا سے بہتر۔ یہ بھی یقینی ہے اس لئے کہ جو شخص خدا اور روز جزا پر ایماں رکھتا ہو۔
وہ ہرگز رسول کا مد مقابل کسی دوسرے کو نہیں سمجھ سکتا۔ وہ گویا خدا کا علی اور فتی
تجمرہ بھی بالکل ٹھیک لیکن اسی نے ان کو یہ روز بد کھلایا۔ انھوں نے گویا قرآن کی
یہ آیت نہیں دیکھی تھی کہ سلطنت کا مالک اے اہر جسے چاہتا ہے۔ دیتا ہے اور جس سے
چاہتا ہے چھینتا ہے اور جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل
کر تا ہے۔ اور وہ ہر قسم پر قادر ہے۔

دیکھا اپنے صفات کی جنگ میں یزید کی شکست اور علی ہونی شکست۔
پھر کیا کہا آخر میں۔ وہی کہ یہ تو سلطنت ہے جس کے پاس پہنچے جس سے اسی کا حق
اس دلیل کی بنا پر دنیا کے کسی بادشاہ کو ظالم، نا انصاف اور قابل نفیرین و

لیکن یہ حقیقت رکھ رہی ہے جو اس دامن کا ذریعہ تھی اور جس کے ذریعہ سے نظام دنیا کو درست ہونا چاہیئے تھا وہ دنیا میں ایسے فسادات کا پیش خیمہ قرار پائی اور اس کے ذریعے سے عالم میں اس طرح انسانیت کو پامال کیا گیا اور ان تمام صفات کو جو قلع بشری کے لئے ضروری تھے اور عام انسانی مفاد کے لئے لازمی تھے ایک ایک کر کے اس طرح مٹا گیا کہ اب یہ جھنڈا دراصل مشکل ہے کہ حقیقتہً سلطنت ذریعہ ہی اصلاح عالم کا یا فساد عالم کا۔

بات یہ ہے کہ بادشاہان دنیا کا ادھر تو دنیا کی مادی طاقتوں پر قبضہ اور جاہ و حشمت، شان و شوکت کا غلبہ یعنی تمام ان چیزوں کا جو ایک انسان کے مطالبات کو نیک کا ذریعہ ہوتی ہیں انکے ہاتھ میں ہونا اور سب اس پر ہواؤ ہوس۔ اغراض شخصی اور مقاصد ذاتی۔ جذبہ انتقام اور بد نفسی و خصومت اور مقاصد میں کامیابی حاصل ہونے کے ساتھ دل کا بڑھنا اور دلولہ و ہمت میں اضافہ ہونا۔ کیونکہ انسان جتنا جتنا کامیاب ہوتا ہے اتنے ہی اس کے توقعات بڑھتے جاتے ہیں۔ جانے دیجئے ان بادشاہان عالم کے خیالات کو جو ان کے ذہن میں گردش کیا کرتے ہیں اسلئے کہ سلطنت ہمارے پاس اور نہ ہم ان خیالات کے آشنا اسلئے ان تخیلات پر ہم کو حکم لگانے کا حق بھی نہیں لیکن میں اس کا اندازہ دینکے ان چھوٹے چھوٹے اور بالکل مختصر ترین مقاصد کے اعتبار سے عام متوسط درجہ انسانوں کے لحاظ سے کرتا ہوں جو درجہ ہمارے سامنے نظر آتے ہیں۔ انسان ہمیشہ انہی عمر کے محدود ہونے کی بنا پر اپنی زندگی

تھے اور ہی دین باقی جو جس کے حین علمبردار تھے۔ وہ دین باقی ہوا اور حسین باقی ہیں اس
قیامت تک باقی رہیں گے۔

یہ شان ہر حق کے فتح اور باطل کی شکست کی جو ہمیشہ نمایاں رہیگی۔

سلطنت کی طاقت کا فساد فی الارض میں متعمد

سلطنت و حکومت کی بنیاد اصل میں نظام عالم کے درست کرنے پر تھی اس کا
مقصد تھا کہ دنیا سے فتنہ و فساد کو مٹا دیا جائے اور امن و امان کو قائم کیا جائے
منظوم اور ظالم میں انصاف و داد خواہی کے حدود مقرر ہوں اور زبردستوں کی
زبردستیاں، سرکشوں کی سرکشیاں ختم ہوں۔ ان مقاصد کے لئے حکومت و
سلطنت کی بنیاد پڑی۔

چونکہ افراد انسانی معاشرت باہمی میں محتاج تھے اجتماع کے ادارے اجتماع
کے لئے ضرورت تھی ایسے قوانین کی جیسے سب پابند ہوں اور ان قوانین کو ضرورت
تھی ادا کی طاقت کی جو انہیں لوگوں سے منواسکے۔ اسلئے تخیل پیدا ہوا کہ ایک
بادشاہ کی ضرورت ہے جو قانون پر عمل کراسکے اور دنیا کے نظام کو ایک منظم صورت پر
مرتب کرسکے اور چونکہ سلطنت و حکومت کا مفاد تھا اصلاح عالم اور امن و امان کا
قائم کرنا۔ اس لئے دنیا کے تمدنی قوانین میں بادشاہ کی مخالفت اور بغاوت
امن عامہ کے خلاف سمجھی گئی۔

کے رسبادی حیثیت رکھتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ گداہر اور وہ بادشاہ۔ یہ مزدور ہر اور وہ کردنی انسان
لیکن کیفیات وجدانی و نفسانی کے لحاظ سے اُن کی زندگی میں اتنا فرق نہیں ہے۔
جتنا اُن کی ظاہری حیثیتوں میں ہے۔

ایک مزدور کہ جس کو دن بھر کی محنت میں پانچ چھ آٹے پیسے مل جایا کرتے ہیں
اُسے اتفاق سے راہ چلتے ہیں ایک دوسرے پُرا ہوا مل جائے جسے وہ اٹھا کر اپنی جیب میں
رکھ لے تو میں سچ کہتا ہوں کہ اُسے اتنی ہی مسرت حاصل ہوتی ہے جتنی ایک بادشاہ
کو ایک ملک فتح کرنے کے بعد۔ اور یہی انسان، اگر اُسے کسی دن پیٹ بھرنے کے لئے
مزدوری نہ ملے یا مزدوری کے پیسے اُس کی جیب سے گر پڑیں اور وہ خالی ہاتھ گھر واپس آئے
تو اُسے اتنا ہی غم ہوتا ہے جتنا ایک بادشاہ کو اپنے غنیم کے غلبہ پانے اور ملک کے
قبضہ سے کھلانے سے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ اُس بادشاہ کے لحاظ سے اُس ملک کی نسبت ہی ہے جو اس
فقیر کے لئے اس کی محنت و مزدوری کے تقوڑے سے پیسوں کی ماوراس لے اگر اس فقیر کا
دل ان پیسوں میں بھر جائے اسی طرح کہ پھر اس سے زیادہ کا طالب ہو تو اُس بادشاہ کا دل
اُس سلطنت سے بھی بھر سکتا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ دیکھنے میں وہ سلطنت ہے لیکن وہ اُسکے
لئے عین احتیاج ہے۔ ہم جسے ایک بڑی مملکت سمجھتے ہیں وہ اُس کی آنکھوں میں
ایک حقیر شے ہے۔

۱۔ قبلہ الکرناہو۔ ایک انسان سے پوچھئے کہ تمہاری اس دنیا میں کیا تمنا ہے تو وہ اپنی
 تمناؤں اور آرزوؤں کی فہرست کو چند باتوں میں ختم کر دینگا لیکن وہی مقاصد اس کے
 جب پورے ہو جائینگے تو پھر یہ نہیں ہوگا اب اس کے مقاصد ختم ہو جائیں اور اس کے
 توقعات فنا ہو جائیں۔ بلکہ اب بھی جو پوچھئے گا تو وہ کہیگا کہ میری اب یہ آرزو ہے
 یہاں تک کہ وہ لوگ جن کی عمریں کافی ہو جاتی ہیں ان کو بھی دیکھئے تو یہی سننے لگا کہتے ہوئے
 کہ دنیا میں بہت کچھ کیا، بہت مقصد حاصل کئے۔ اب کوئی آرزو نہیں ہے۔ سچ بات
 ہو جائے تو پھر دنیا میں ہمارے لئے ہوس نہیں ہے۔ غرض یہ ایک بات کا سلسلہ ہمیشہ
 قائم رہیگا اس کو اپنے نیا کے ہر شعبہ میں سمجھ لیجئے طرح طرح کی سرتی جو انسان کو
 حاصل ہوتی ہیں ان کی یہی کیفیت ہے۔ ایک وقت میں جو چیز نقطہ آخر مقصد انسانی کا
 قرار پاتی ہے وہی سبب انجانی ہے اس کے تو جہات کھیلے فرض کیجئے
 کوئی شخص علم کا طالب ہے کوئی شخص دولت کا کوئی نام و نمود کا۔ کوئی جاہ و عزت کا۔
 کوئی سلطنت کا طالب ہے اور ہر ایک کے حدود طلب جتنے زیر قدم کئے جاتے ہیں اتنا ہی
 پائے شوق آگے بڑھتا ہے اور اس طرح یہ نہ سمجھئے کہ ایک بادشاہ سلطنت کا مالک
 ہو گیا ہے تو اب اس کا دل بھر گیا ہے بلکہ وہ فقیر جو ان شعبہ کا محتاج ہے جتنی طلب اس کا اپنے پیٹ پر
 کھانا مل جائیگی ہر اتنی تمنا اس بادشاہ کو اہل ملک ایک صوبہ کی ایک شہر کی ہر قوم اس کے حدود و ملکیت خارج
 ہے۔ اہلی اعتبار سے میرا قول ہے کہ دنیا میں باعتبار ظاہری حیثیتوں کے اور سامان زندگی
 کے اگرچہ افراد کے درمیان میں انتہائی تفرقہ پایا جاتا ہے لیکن باعتبار مشترک کیفیت

طاقتور ایک ہی ہوا اور سب کمزور قویہ طاقتور سب کو فحاشی اور خود ہی برسرِ اقتدار ہو جائے
لیکن نظامِ عالم میں اکثر طاقتیں لڑتی بھڑتی اور ایک دوسرے سے لگ بھگ ہوتی ہیں
اور ہر ایک کے جذبات ہوا و ہوس ایک ہی طرح کے اس طرح یہ پورے دنیا ان مختلف طاقتوں
کی کشمکش میں مثل اس چادر کے ہو جاتی ہے جسے چار قوی ہر ایک انسان چاروں طرف سے
کھینچ رہے ہوں نتیجہ یہ چادر چاک ہوگی اور اگر کشمکش جاری رہے تو تار تار ہو جائیگی
یہی صورت ہر اس دنیا کی ان طاقتوں کے تقادم میں اور یہی عظیم فساد فی الارض
ہر جو دنیاوی سلاطین کے ہاتھوں ہوتا رہا۔

انکار و عقول تلاش کرتے ہیں مل اس شکل کا، سلطنت کس طرح سے قائم ہو، بادشاہ
کس طرح کا ہوتا کہ یہ باتیں ہو سکیں اور یہ زیادتیاں جو ہوا کرتی ہیں۔ ان کا سد باب ہو
لیکن یہ ہو کہو نہ کہ جب تک سلطنت کے ذمہ دار افراد میں دم ہوس وہ جاہ طلبی، وہ شان و
شوکت اور قوت و طاقت کے اضافہ کی خواہش باقی رہے جو پست انسانوں کی طبیعت
کا تقاضا ہے اس وقت تک یہ تمام باتیں دودھ ہو نہیں سکتیں۔

سلطنت کے احکام کو دنیا سے تسلیم کرانے کے لئے طے طرح کے نظریے بھی عام افراد
کے ذہن نشین کئے گئے۔ ایک زمانہ تھا جبکہ یہ خیال قائم کیا گیا تھا کہ سلطنت درحقیقت
بالکل شل نبوت یا رسالت کے ایک ضلع کی طرح قرار دادہ چیز ہے اسلئے جب کسی کو
اس نے سلطنت عطا کر دی تو تمام افراد میں سے کسی کو چون و چرا کا حق باقی نہیں رہا
اب جو کچھ وہ بادشاہ کرے۔ بہر حال خدا کی مرضی ہر کونکہ وہ نامیدہ خدا ہے جو دنیا

بادشاہی جلوس اور اس کی شان و شوکت ہمارے آنکھوں میں بھلی لگتی ہو اور ہمارے
 دل میں اس سے خاص کیفیت پیدا ہوتی ہو اور اسے صرف آنکھوں سے دیکھ کر خوش
 ہوتے ہیں لیکن جتنی ہمیں اسے صرف دیکھ کر خوشی حاصل ہوتی ہے اتنی ہی اس بادشاہ کو
 خود اس جلوس کے ساتھ نکلنے سے خوشی حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ اسکے نزدیک ایک
 معمولی چیز ہے اس کے دندان حرص و کراہ اس پاس کے مالک پر ایسی طرح تنیر ہوتے
 ہیں جس طرح ایک گرسٹہ انسان جسے پیٹ بھر غذا نہیں ملتی اور اس کے اس پاس
 لوگ بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں اور وہ لپٹائی ہوئی لگتا ہوں سے ان کی طرف دیکھتا ہو۔
 اب اگر اس شخص کی طرح وہ بے بس ہو تو خاموشی سے دل پر تکلیف برداشت کرے گا
 اور وہ جا بیگا لیکن اگر اسکے پاس قوت و طاقت ہو اور وہ مقابل کو شکست دینے کا سامان
 سلطنت ہو اور اسکے ساتھ مادی ذرائع تو وہ ان ذرائع کو عمل میں لایگا اس
 طاقت کو صرف کرے گا۔ اور دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔
 اب دوسرا فریق ایک تو ممکن ہو کہ اس کے مقابل میں کمزور ہو ہی نہ اور اس کا
 کمزور سمجھ لینا اس کو صرف ایک خیالی غلطی ہو اور دوسرے اگر کمزور بھی ہو تو یہ ضروری
 نہیں کہ کمزور خاموشی کے ساتھ اپنے تئیں پامال ہو جانے لے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ فوج
 کرے گا اور اس طرح جنگ ہوگی جس کے نتیجے میں ایک فریق کی فتح اور ایک کی شکست
 لیکن شکست خوردہ فریق شکست کھانے کے بعد انتقام کی فکر میں لگا رہے گا اور
 اپنی طاقت بڑھانے کے ساتھ کوشش کرے گا کہ اپنے غنیمت سے بدلے۔ اور پھر اگر دینا

بلکہ کوئی چیز ہی نہیں رہی۔

اسکے بعد دوسری منزل یہ آئی کہ بادشاہ کی برائیوں کا اسکے غلط افعال
اعمال کا اندازہ ہو مگر مخالفت نہ کی جائے۔ اسکے لئے بھی بادشاہوں کے پاس
پورا سامان موجود تھا۔ کیونکہ دنیا خواہشات کی بندہ ہو اور خواہشیں دو ہی طرح کی
مغضب طبع باتوں کے حاصل کرنے کی طلب۔ اور ناگوار طبع باتوں سے بچا حاصل
کرنے کی کاوش۔ پہلی چیز نتیجہ جوار اور دوسری نتیجہ خوف اور رجا و خوف و زکا
مرکز ہادی اسباب کے حدود میں بادشاہوں کی ذات یعنی اگر کوئی طالب عزت ہو۔
طالب انعام و نمود ہو۔ طالب جنت و اقبال ہو تو ہر ایک کی امید بادشاہ ہی سے وابستہ
ہے اور قتل کا اندیشہ ہے۔ سولی پانی کا ٹھکا ہے۔ قید و بند کا خطرہ ہو تو یہ سب
بادشاہ کی مخالفت میں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ پوری کوشش اس بات کی ہوگی کہ
کسی طرح بادشاہ رہی ہے۔ وہ خوش ہے اس کی توہین نہ ہوگی۔ اس کا بادشاہ
کے کسی طرز عمل کی برائی کا احساس بھی ہو تو روکے کون اور ٹوکے کون۔ اس طرح
بادشاہوں کی مطلق العنانی میں اور اضافہ ہوا اور حصہ سدی یہ مطلق العنانی
بادشاہوں کے تسلیں و مقربین و ارکان دولت میں پیدا ہوئی کیونکہ ان کو بھی
حسرت و درجہ لوگوں کے امید و ہم کی گڑیاں وابستہ ہو گئیں۔ کہیں نیاز میں
ہو کہ بادشاہ سے ہماری شکایت نہ کر دیں بلکہ یہ یہ خوش ہو کہ ہم سے لے کچھ کلمہ خیر
کہیں۔ اس طرح ان تسلیں و مقربین کے افعال و اعمال بھی نقد و تبصرہ کے مستحق

میں موجود ہو۔ اسی بنا پر بادشاہ کے لئے "ظلم شر" کے لقب کی ایجاد کی گئی یعنی جس طرح پر چھائیں ہوتی ہو کہ ہر حرکت و سکون میں جسم کی تابع ہو اسکے افعال کی ترجمان ہو یہی بادشاہ ہر رحمت و غضب آپسی کے مظاہرہ کی ایک شان -

اب بادشاہوں کا طرز عمل نقد و تبصرہ کے حدود سے بالاتر ہو گیا۔ بادشاہ جو کرے وہ ٹھیک ہی ہو۔ یہ سوچنے کی ضرورت ہی نہیں کہ وہ صحیح ہی یا نہیں۔

اس طرح بادشاہ کے احکام میں ایک تنبیہی شان قائم کی گئی یعنی وہ حلقہ گہوشی جو مذہب کے خصوصیات میں سے تھی وہ بھی لیکر بادشاہوں کے سپرد کی گئی۔

یہ ایک بڑا فساد بنی تھا جس نے رعایا کے قوائے داعی کو معطل کر دیا۔ بنایا غور و خوض کا حق نہ دیا جانا سمجھنے کا حق سلب کر لیا یہ وہ کامیابی شیش ہو جس کے بعد مخالفت کا اندیشہ بہت حد تک ختم ہو جاتا ہے اس لئے بادشاہوں کی طرف سے اس کی خاص طور پر کوشش کی گئی۔

اور اسی بنا پر یہ فقرہ ضرب المثل ہو گیا کہ "امور مملکت خویش خردان زند" یہ وہ درجہ جو قرآن نے خداوند عالم کے لئے قرار دیا ہو کہ لا یسأل عما یفعل وہم یسألون یہی چیز بادشاہ کے لئے تسلیم کر لی گئی اور اس طرح ان کے خلاف لب کشائی کا موقع ہی باقی نہیں رہا۔

اب رعیت دیکھنے لگی بادشاہ کی آنکھوں سے سننے لگی بادشاہ کے کانوں سے اور بھنی لگی بادشاہ کے دل سے کیونکہ خود کی آنکھ۔ کان اور دل معطل ہو گئے

حکومت کا قائم ہو گیا تو اب فارسی زبان بھولے سے بھی یاد نہیں آتی۔ کسی زمانہ میں فارسی میں جتنا مکہ تھا اتنا اب اہل علم کو بھی نہیں ہے۔

اب کیا ہے؟ اب یہ کہ انگریزی زبان کا ایک حرف نہیں پڑا ہے مگر گفتگو میں سنے سنائے ہوئے اگرچہ غلط سلط کیوں نہوں، زیادہ سے زیادہ الفاظ انگریزی کے صرف ہوں۔ اسے معیار عزت سمجھا جاتا ہے۔ انگریزی لباس پہنا جائے۔ اسے سرمایہ افتخار خیال کیا جاتا ہے۔ انگریزی طرز معاشرت اختیار کیا جائے اسے طرہ امتیاز قرار دیا جاتا ہے۔

اس میں سوچنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ یہ طریق کار مستحسن ہے یا نہیں سہی کوئی غریبی ہے یا نہیں۔ بس حکومت دت کے ساتھ تعلق ہے ہی اس کے اٹھان کیلئے کافی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے: الناس علیٰ دین ملوکھم یعنی تمام لوگ اپنے بادشاہ کے مسلک کے ادبہ ہوتے ہیں۔

یہی دین کو اس وقت تک نیا میں کوئی اہمیت حاصل نہیں ہوتی جب تک قسطنطین عظم نے اختیار نہیں کر لیا اور جب اس نے یہ مذہب اختیار کر لیا تو ملک بھر میں پھیل گیا۔ اسی طرح زندگی کے دوسرے شعبوں میں جب سلطنت نے کسی چیز کو ترقی دی اس وقت اس چیز کو مقبولیت حاصل ہو گئی۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں ہر انسان کا انفرادی فساد بہر حال انفرادی حیثیت رکھتا ہے لیکن بادشاہ کی حیثیت وہ ہے کہ اس کے انفرادی فسادات اجتماعی

بالا تر ہو گئے اور خود ان لوگوں کو کوئی فکر اپنے افعال و اعمال کے جائز و ناپسند کی نہ رہی
 کیونکہ بہر حال وہ جو کچھ کریں گے نہ کوئی اعتراض کر سکا نہ اختلاف اس کے ساتھ ہو سکا
 خلاصہً کہ یہ فکر کہ جو افعال و اعمال ان کو پسند ہیں وہی اختیار کرنا چاہئیں
 چاہے وہ جبر نہ کرتے ہوں ان کاموں پر اور چاہے قانونی حیثیت لازم نہ قرار دیں
 بلکہ چاہے وہ انہی زبان سے لوگوں کو دعوت بھی نہ دیں ان افعال کی طرف لیکن
 بہر حال بادشاہ کے اختیار کردہ افعال ہونا محرک قوی ہر رعایا کے لئے انہی
 کاموں کے اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہو کر کہ جو مسک بادشاہ اختیار کرے۔ وہ مسک
 رعیت اختیار کرنے کی کوشش کرے گی۔ جو وضع و لباس بادشاہ کو پسند ہو اسی
 وضع و لباس کو رعیت میں بھی رواج حاصل ہو یہاں تک کہ جس مذہب و عقیدہ کا
 بادشاہ پیرو ہے۔ اس مذہب و عقیدہ کو عام رعیت میں مقبولیت حاصل ہو۔
 دیکھ لیجئے کہ جب ہندوستان میں مسلمانوں کا غلبہ ہوا اور سلطنت مسلمانوں کے
 ہاتھ میں آئی تو فارسی زبان کو اتنی ترقی ہوئی کہ یہاں کے اصلی باشندوں نے
 بھی فارسی میں ہمارت حاصل کی اور عام طور پر خطوط فارسی میں لکھے جانے لگے
 ہر شخص فارسی میں خط و کتابت کرتا تھا اور کسی اور زبان میں خط و کتابت کرنا
 ذلیل گاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یکس لئے تھا؟ اسی لئے کہ ارکان سلطنت زیادہ تر
 اس زبان سے تعلق رکھتے تھے اس لئے رعیت کے سب طبقے سرمایہ افتخار سمجھتے تھے اس
 زبان پر دسترس حاصل کرنا لیکن جب نظام سلطنت میں انقلاب ہوا اور موجودہ نقشہ

علحدگی اختیار کر لی ہو۔ آپ نے فرمایا اسے میرے پاس لے آؤ جب وہ آیا تو حضرت نے فرمایا کہ تم سبھادہوکہ شیطان کے راستے پر چل رہے ہو؟ آخر تم اپنے اہل و عیال پر رحم نہیں کرتے۔ خدا نے تمہارے لئے طہیات (جائز لذتوں) کو حلال قرار دیا ہے تو پھر تم کو ان کے استعمال میں خطرہ کس بات کا ہو؟

عام کو توجہ پیدا ہوئی خود حضرت کے لباس و غذا کی طرف۔ یہ وہ زمانہ ہے جب آئیام اسلامی کے شہنشاہ ہیں اور جلالت ظاہری کے تحت پر تمکن ہیں۔ اسکے دماغ میں خیال آیا اور اُس نے کہہ دیا کہ مجھے تو آپ نصیحت فرما رہے ہیں اور خود آپ کے لباس و غذا کا یہ عالم ہو۔

آپ نے فرمایا: **وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا مَالَكُمْ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ يَكْتُمُونَهُ الَّيْمُ الْأَكْبَرُ**۔

میرے تمہاری برابری نہیں ہے۔ میں اس وقت حاکم کے عہدہ پر ہوں اور عادل حکام کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنا سیار زندگی کمزور ترین افراد کے عایا کے سادی قراؤں تاکہ فقرا کو اپنی ناداروں سے تکلیف نہ محسوس ہو یعنی اُن کے دل میں یہ بات نہ آئے کہ افسوس ہمارے پاس اچھے کپڑے نہیں۔ اچھا کھانا انہیں جب وہ اپنے بادشاہ کو دیکھیں گے کہ وہ بھی ایسے کپڑے پہنتے ہیں۔ ایسی غذا کھاتا ہے تو اُن کے دل کو تسکین ہوگی۔ اب کہاں یہ تعلیم اور کہاں بادشاہان دنیا کا طرز عمل کہ دنیا کی تمام رحمتیں وہ چاہتے ہیں مسکرموت اُن کی ذات کے لئے مجتمع ہو جائیں تو دنیا تکلیف میں بسر کرے۔

شکل اختیار کرتے ہیں اور اس طرح اس کی ذاتی بد اخلاقیات فساد فی الارض کا پیش قدمی قرار پاتی ہیں۔ کیونکہ فساد جیسا کہ میں نے سابق میں کہا ہر شوش ہنگامہ جنگ و جدال ہی نہیں ہو بلکہ فساد فی الارض ہر وہ خرابی ہو جو جمہور میں پیدا ہو۔

اور بادشاہ کا فساد رعیت میں ہر طرح کا فساد پیدا کر سکتا ہے خواہ ذہنی ہو خواہ اخلاقی خواہ تمدنی خواہ اجتماعی۔

اگر وہ ملک گیری کی ہوس نہیں بھی رکھتا اور جنگ و جدال نہیں بھی کرتا مگر خود اپنے افعال میں ذمہ داری کا احساس نہیں کرتا اور برے اخلاق و افعال کو اختیار کرتا ہو تو خود اسکے یہ افعال و عادات ہی غلتی خدا میں فساد پھیلانے کے لئے کافی ہیں۔ اسی لئے امیر المومنین نے ارشاد فرمایا۔ اذا تغیر السلطان تغیر الزمان جب بادشاہ کا رنگ بدلتا ہے تو زمانہ کا رنگ بدل جاتا ہے۔

اسکے علاوہ یہ کہ بادشاہ کی ذمہ داریاں بہ نسبت دوسرے لوگوں کے زیادہ ہوتی ہیں۔ اس کو اپنے اپنے قول و عمل دونوں طرح سے ظاہر کیا۔

آپنے لباس، غذا ہر طرح اپنی زندگی کو عام مسلمانوں سے زیادہ پائیدار بنا رکھا۔ حالانکہ اسلام نے ترک دنیا کو مفروضی نہیں قرار دیا ہے۔ اس لئے عام افراد اس حد تک اپنے نفس کو تکلیف پہنچانے لگیں تو انہیں روکا گیا۔

ملاحظہ کیجئے اس واقعہ کو کہ علاء بن زیاد حارثی نے امیر المومنین سے اپنے بھائی عام بن زیاد کی شکایت کی کہ اس نے بالوں کے کپڑے پہنے لئے ہیں۔ اور دنیا سے

”مجھے معلوم ہوا کہ تم کو جو انان بصریوں سے ایک شخص نے ضیافت میں مدعو کیا اہم
 وہاں بڑی تیزی سے پونج گئے تھے لے رنگ رنگ کے اچھے کھانے منتخب کر کے
 لائے جا رہے تھے اور پیالے تمھاری طرف بڑھائے جا رہے تھے۔“

یہ تصویر کشی ہر اس حالت کی کہ جب کوئی بڑا آدمی کسی دعوت میں آجاتا ہے جس کچھ
 نہ پوچھے اب میرا ان اپنے سب مہمانوں کو مہول جاتا ہے اور بہترین اسی ایک کی خدمت
 میں مصروف ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سب زیادہ اسی انسان کو بھوکے رہ گئے ہیں
 بھی جب کہیں جاتا ہوں تو میرے لئے بھی یہ ہوتا ہو۔ لیکن یہ مجھے انھار حقیقت سے
 مانع نہیں ہو سکتا۔

صورت حال اس وقت پر بالکل یہ ہوتی ہے کہ یہ وہاں ایک پیالہ سے زیادہ کم
 استعمال میں نہیں لایا گیا اور نہ اس کے سپرد کرنے کے لئے اس سے زیادہ ضرورت ہے۔
 مگر اگر ماکم لبالب پیالے اس کے آگے بڑھائے جا رہے ہوں گے حضور اس سیر سے پیش
 فرمائیں۔ یہ پیالہ حاضر ہے۔ اس میں سے تناول فرمائیے۔

خود اس وقت کی حالت بتائے گی کہ یہ انسان ان نام ہانوں میں ایک امتیازی
 شان رکھتا ہے اور جماد آدمی ہر خطا ہر سہ کہ شہر کا حاکم جب کسی دعوت میں آجائیگا
 تو اس کے لئے یہ صورت اپنی اعلیٰ شان پر نمودار ہوگی۔ اسی کو امیر المؤمنینؑ نے بیان
 فرمایا ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

وما ظننت انک تجیب لی طعام قوم عظمیٰ و غنیہم مدعو۔

یقیناً بادشاہ کی فحاشی نمود عمل ہونا چاہیے۔ کیونکہ ادمر کوئی سخت سلطنت پرست نہیں تھا اور دنیا کی نظریں دلا گئیں کہ اُس کے افعال کیا ہیں، اُس کے عادات کیا ہیں۔ اُس کا طرز معاشرت کیا ہے۔

اسی بنا پر امیر المومنین اپنے عالِ حکومت یعنی مختلف شہروں کے گورنروں کی بھی سختی سے نگرانی فرماتے تھے اور اسی ایسی باتوں پر انھیں تنبیہ کرتے تھے جو عام افراد کے لئے اس حد تک قابلِ اعتراض بھی نہیں ہیں۔

عثمان بن حنیف انصاری آپ کی طرف سے بصرہ کے حاکم تھے۔ انھیں کسی نے ضیافت میں مدعو کیا اور وہ اُس دعوت میں جا کر شریک ہوئے پس یہ خبر سنی جو امیر المومنین کو پہونچی۔

میں سچ کہتا ہوں کہ اگر کوئی اور ہوتا جو ذمہ دارانہ حیثیت نہ رکھتا تو یہ بالکل توجہ کے قابل بھی نہ بنتی کیونکہ اس میں کوئی خلافِ شرع امر نہ تھا اور نہ کوئی گناہ تھا۔ وہ پُر تکلف دعوت تھی لیکن پُر تکلف دعوت میں جانا اور لذتِ کھانے کا کھانا بھی تو حرام نہیں ہے۔

مگر چونکہ عثمان بن حنیف کو حکومت کا منصب چل تھا اس لئے امیر المومنین نے تنبیہ کی ضرورت محسوس فرمائی اور خط لکھا۔

اما بعد یا ابنِ حنیف فقد بلغنی ان رجلاً من فقیہ اہل بصرہ دعاک الی مأدبۃ فاعتر الیھا استطاب لک کالوان ومقل لیک الجفان

لے لیگا اس نے کسی غریب کو خصوصاً اگر وہ شریف اور باعزت انسان ہو کیا ضرورت
 اگر وہ اس دولت کو برداشت کرے۔

اگر کسی نے اپنی غیرت کو خیر باد کہے اس ننگ کو گوارا بھی کیا تو دھکے دیکھ
 کمال دیا گیا اور بچائے کو داپس جانا پڑا۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس دعوت ولیمہ سے وہ
 مقصد کیونکر پورا ہوا۔ اگر نیت ہوتی خلیت خدا کو فائدہ پہنچانے کی تو بھوکوں کو بلایا
 جاتا۔ پیٹ بھر دے بلانے کی فکر نہ کی جانی مگر ایسا نہیں ہوتا۔ ہوتا ہی ہے جو میں نے
 پہلے بیان کیا۔

روزہ خدا کی ایک عبادت ہے مگر اس میں شائع نے اپنی جانب سے حقوق الناس کو
 شریک کر دیا۔ افطار صوم کو فضیلت یعنی بہت بڑی عبادت اسے قرار دیا کہ کسی روزہ دار کا
 روزہ کھلوا دیا جائے۔ اس حکم کے اوپر عمل بھی اسی صورت سے کیا گیا کہ اسے اپنے میل جول اور
 تعلقات کا ذریعہ قرار دے لیا جیسے بے کلف دوستوں میں آپس میں دعوتیں ہو اگر کسی میں
 ویسے ہی افطار صوم کی رسم میں تبادلہ ہونے لگا اور اسلئے ایک میں اپنے درجہ کے رئیس
 ہی کا روزہ کھلوا لیگا۔ اسی ہی دوسری چیزیں ہیں جن کی بنیاد فائدہ رسائی خلائی پر مبنی
 مگر اپنے طرز عمل کی وجہ سے وہ مقاصد فوت ہو گئے۔

مجلس کا حصہ { اس کی بھی بنیاد درحقیقت اسی پر تھی کہ کمزور اور محتاج افراد کی
 اعانت ہو۔ افراد قوم میں کتنے وہ ہیں جن کو پیٹ بھر کھانا نصیب
 نہیں ہوتا۔ ان کو جب معلوم ہوتا ہے کہ ظالان جگہ دیں کی مجلس ہو یا بلا و تقسیم ہو گا تو

”مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی کہ تم ایسے لوگوں کی دعوت میں جاؤ جہاں عیال دار غریبوں کو تو نظر انداز کیا جائے اور والدہ لوگوں کی دعوت دی جائے۔“

یہ کھل نقشہ ہے ان ضیافتوں کا جو ارباب دنیا کی طرح کی جاتی ہیں۔
یعنی وہ چیزیں جنہیں ذریعہ قرار دیا گیا تھا تعاون باہمی کا، فائدہ رسانی خلق کا
اُن کو ذریعہ قرار دے لیا گیا صرف اظہار نام و نمود کا۔ مثلاً شادی میں دعوت ولیمہ کی
رسم، اس کی بنیاد یہ تھی کہ تم نے اگر اپنے گھر میں ایک سرت کی تقریب قرار دی ہو
اور تمہارا دل خوش ہو اہر تو تم دوسرے لوگوں کو کیوں بھلاؤ۔ اُن کے لئے اتنا ہی
سہی کہ ایک قت کا کھانا کھلاؤ، حقیقتہً یہ ان غریبوں کے مفاد کے لئے ہر جن کے
واسطے ایک قت کا کھانا بھی ایک قابل قدر اور غیر معمولی نعمت ہے۔ مگر ہمارے یہاں
دعوت ولیمہ صرف اپنے تعلقات کے مظاہرہ کا ذریعہ قرار پائی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اگر کسی رئیس کے یہاں ولیمہ ہو تو مخصوص طور سے کارڈ بھجوائے گا
وہ کارڈ مخصوص لوگوں کے پاس بھیجے گئے جن کے نام ان رئیس صاحب کے معلوم
ہیں اور بھلا ایسے رئیس صاحب کو غریبوں کے نام کیوں معلوم ہونے لگے۔ اور اگر معلوم
بھی ہوں تو ضرورت کیا ہو کہ اپنی سفید پوش محفل کو میلا اور بدنام بنایا جائے۔ نتیجہ
کارخانہ لوگوں کو جو ایسے بہتے وقت کے کھانوں کو بھی کوئی چیز نہیں سمجھتے کسی
غریب کو شرکت کرنے کی کیا مجال۔ کیونکہ ایک آدمی دروازہ پر کھڑا ہے اور وہ
ہرگز نہ داخلے سے اس کا کارڈ مانگتا ہو اور دیکھ لیتا ہو۔ اگر کارڈ نہ ہو گا تو اندر جانا

امر خیر ہے مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر حصہ تقسیم ہوتا تو دوسرے روپے صرف ہوتے۔ یہاں
 بچاس روپے یتیم خانہ بھیج دئے گئے اور مجلس کے رقعوں میں نیچے لکھ دیا کہ تقسیم
 حصص کی رقم نذر شیدہ یتیم خانہ کی گئی۔ حاصل کیا ہوا وہی نام و نمود۔ جب سب سے
 دماوں میں نام الگ ہو کام الگ کھلے تو ضرورت کیا کہ زیادہ رقم صرف کی جائے۔
 جو روپے بچا دیا ان دنیاوی فضا فخر جیوں میں صرف ہوا۔ جن میں اس طرح کے ارباب دنیا
 کا دل پیسہ عموماً صرف ہوتا رہتا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ بہت سے مصلحین قوم البکر
 تجاویز پیش کرتے ہیں جو بجائے خود بالکل ٹھیک ہیں مگر عملی پہلو ان کا تاریک ہے۔
 بات سیدھی سادھی بڑی ٹھکانے کی ہر کہ بود رقم حصوں میں صرف ہوتی ہر کہ کسی قومی کام
 میں اور تیسری ملی میں صرف کی جائے مگر مجھے کون اطمینان دلائے کہ وہ حصہ کی رقم اسی
 صورت میں خیر خیرات میں صرف ہوگی جس صورت میں وہ لاکھ عمل میں پیش کی جا رہی ہے۔
 میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ وہ رقم جب اس طرح سے پس انداز ہوئی تو سینما اور تھیٹروں
 میں صرف ہونے لگی یا اگر قدامت ہی قدامت ہو تو کنکڑے بازی بٹیر بازی مرغ بانیا
 وغیرہ وغیرہ لیکن ان کاموں میں صرف نہ کی گئی جن کے مصلحین قوم نے حصص کی رقم کو
 ملتوی کیا تھا۔

اس صورت میں تو میں بہتر یہی سمجھتا ہوں کہ حصص کی رقم قائم رہے۔ اس صورت میں
 جو کچھ صرف ہوتا ہو وہ بہر حال۔ بچے ایک بھائی کے کام و شکم کی پرورش کرتا ہے۔ یہی ہے
 لیکن آپ اپنے نزدیک جو پس انداز کرنے کی صورت بتا رہے ہیں اس میں پس انداز نہ لگا

یہ لوگ سب اس مجلس میں ناکر اکٹھا ہو جاتے ہیں۔ اس طرح نہ معلوم کتنے لوگ وہ میں جلی
دو عیناً ٹھہر کر بدوش ہی حصوں پر پڑتی ہیں۔ لیکن وہ آنے والے اکثر ان میں سے
پچھے ہوئے لباسوں میں ہوتے ہیں۔ شرفا اور سفید پوشوں کو اس کا احساس
ہوا۔ ایسی مجلسوں میں جانے سے گھبرانے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اوسانے حصے گھروں پر
تقسیم کرنا شروع کئے، لیکن اب یہ حصے تو انہی لوگوں کے گھروں پر جائینگے جن کو
اس قابل سمجھا جائیگا۔ بھلا وہ غریبوں کے سلام کا جواب دینے میں ان ریشیوں کو عذر
ہوتا ہو ان کے گھروں پر یہ حصہ کیوں جانے لگا۔ اسکے معنی یہ ہوئے کہ وہ حصہ جو تبرک
سمجھا جاتا تھا اور جس کی بنا پر غریبوں کی طبیعت پر کوئی احسان مندی کا بار نہیں پڑتا
تھا اب اس تبرک کو محدود قرار دیا گیا گھروں کے ساتھ۔

لہذا وہ عدد دار انسان جو محتاج تھے مگر اپنی عزت کو محفوظ رکھے ہوئے تھے ان کو
اپنے گھر پر حصہ نہ آنے کا قلق ہوا اور اس کے ساتھ وہ مجلس میں جانا اپنی توہین کا
باعث سمجھے اور وہ غریب اور جو مجلس میں پہنچ گئے انہیں بہر حال اس حصہ محدود ہی
رہی جو اس مجلس میں تقسیم ہونے کی صورت میں ان غریبوں کی پرورش کا ذریعہ تھا۔
اس صورت سے مفاد حصہ کا رخصت ہو گیا اور کوئی نتیجہ اس کا سوائے اظہار
نام و نمود کے باقی نہیں رہا۔

اس کے بعد مصلحین قوم نے یہ کننا شروع کیا کہ حصوں کی رقم بجائے حصوں میں صرف
کرنے کے متمم فائدہ بھیج دی جائے یا اوسا طرح کے ادارہ میں دیدیجئے خیر یہ بھی

سو بچنے کی زحمت بھی برداشت نہ کریں گے کہ یہ کہاں سے آیا ہے اور جائز ہے یا ناجائز۔
یقیناً ایک نہ دار انسان کے یہ طرز عمل شایان شان نہیں ہر عثمان بن حنیف
حاکمانہ حیثیت رکھتے تھے ان کو ایسی باتوں پر بھی نظر رکھنا امیر المؤمنین کے مذاق
مصلح پروری میں ضروری تھا۔

ابتداءً خود عثمان بن حنیف کو بحیثیت حاکم دوسروں کے لئے نمونہ عمل بننے کی تاکید
تھی لیکن اب امام نے ضرورت محسوس کی کہ خود عثمان بن حنیف کو بھی تو ایک نمونہ عمل کی
طرف توجہ دلا دی جائے جو ان کے لئے مرکز پیروری قرار پاسکے اسلئے ارشاد فرماتے ہیں
الادان کل ماموم اما ما یقتدی بہ ویستضیئ بنو علیہ الا وان امامکم
قد اتفی من ذیہا بطمرہ من طعمہ بقصر صیہ۔

”معلوم ہونا چاہیے کہ ہر انسان کے لئے ایک مہیو ہوتا ہے جس کی وہ پیروی
کرتا ہو اور مسکنی دانائی کے نور و ضیاء اسے فیض حاصل کرتا ہے بھتیں اگر اپنے امام
علی بن ابیطالب کو دیکھنا ہو تو دیکھ لو کہ میں نے ال دنیا سے صرف دو کھنہ بوسیدہ
کپڑوں پر اور کھانے کی چیزوں سے صرف دو سوکھی روٹیوں پر اکتفا کی ہے۔“

الادانکم لا تقدرون علی ذلک ولکن اعینونی بوسع واجتہاد
دعفة وسداد۔

”ہاں مگر تم اتنا نہیں کر سکتے ہو۔ اسلئے میں یہ نہیں کہتا کہ تم بالکل بھی رو
جو میں کرتا ہوں مگر جہاں تک ہو سکے میرا ساتھ دو پھر نیز گاری اور تقویٰ اور

وہ غیر اقوام کی تماشگاہوں کی غدر ہو جائیگا۔ پہلے پس انداز کرنا سیکھو اور دوسروں کو سکھائیے پھر اس طرح کی تحریکیں پیش فرمائیے۔ ابھی تک تو ہمیں پس انداز کرنے کا طریقہ ہی نہیں معلوم۔

بہر حال یہی چیز جو دعوتوں میں عام طور پر نظر آتی ہے کہ رُسیوں کو دعوت دیکھائی ہو اور غریبوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے میرا المین نے ان الفاظ میں ظاہر کی ہے کہ علمِ حق و غنیہم مدعو۔

آپ کا مطلب ہے کہ عثمان بن حنیف کو متنبہ کر دیں۔ اگر وہ بحیثیت کم مہربان کو ایک دینی سی تنبیہ کر دیتے کہ میں ایسی دعوت میں شریک ہونا پسند نہیں کرتا جہاں غریب کو دعوت دینے سے گریز کیا گیا ہو تو پھر غریب کو دعوتوں میں اس طرح نظر انداز نہ کیا جاسکتا۔ اسکے بعد آپ دوسرے پہلو کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

فانظروا ما تفضل من هذا المقضم فما اشتبه عليه علمه فالفظم
وما ايقنت بطيب جهه فذل منه يعني یہ بھی نو دیکھ لیا کرو کہ جو کھانا تمہیں کھلایا
جائے اور وہ کیا ہو۔ اگر کچھ تمہیں شبہ پیدا ہو تو اسے چھوڑ دو اور اگر یقین ہو کہ حلال
کھانا کا کھانا ہے تو اسے تناول کرو۔

مگر دنیا میں یہ حالت ہے کہ یوں ہم اپنے مقام پر کسی شخص کو مکمل سے الزام بھی دیتے
ہوں اور کہتے ہوں کہ وہ ال حرام صرف کرتا ہے اور حرام کا روپیہ کھاتا ہے لیکن اگر وہ
ہم کو کبھی دعوت میں مدعو کر لے یا کچھ نذرانہ جاری خدمت میں پیش کرے تو پھر ہم یہ

اور تیرے گرد و پیش ایسے کچے ہوں جو چڑھنا لگے تو اُس کے کھانے کے لئے تڑپ جائیں۔
ایسے حاکمانہ حیثیت کی ذمہ داری کا اظہار۔

منقع من نفسی بان یقال میدا المومنین ولا اشارکم فی مکاسرہ
الدہل واکون اسقاکہم فی جشوبۃ العیش۔

”کیا میں اتنے پرکٹھا کر لوں کہ لوگ مجھے امیر المومنین (مسلمانوں کا حاکم) کہتے
ہیں اور میں ان مسلمانوں کے ساتھ زمانہ کی سختیوں میں حصہ نہ لوں یا زندگی کی باتوں کو
میں اُن کے لئے غور نہ بنوں۔“

دیکھئے کیا اس سے پورا اندازہ نہیں ہوتا کہ امیر المومنین کی جگہ ایک بادشاہ اور
صحیح حاکم کے فرائض کا معیار کتنا سخت ہے یقینی بادشاہ اگر اعتدال پر قائم رہے تو
دنیا اعتدال پر قائم رہے گی اور اگر بادشاہ نے خود بد اخلاقیوں اختیار کیں اور فساد کے
راستہ پر گامزن ہوا تو یقیناً رعایا میں بھی فساد ہوگا اور یہ فساد فی الارض وہ ہے جو
بادشاہ کے انفرادی افعال کا نتیجہ ہے اور جس سے دنیا کے اصلاحی مقاصد کو عظیم
صدمہ پہنچتا ہے۔

یہ تو بادشاہوں کے انفرادی افعال تھے۔ اسکے بعد وہ ہوس ملک گیری اور
تخت و تاج کی آتش طلب جو کسی طرح سے کبھی نہیں کسی طرح سے خاموش نہیں ہوتی
وہ دنیا کے امن و امان کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔

قرآن میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان الملوث اذا خلوا قریۃ فاحرقوا

پارسائی اور سلامت روی کے ساتھ۔
 آخر میں اپنے اپنی حاکمانہ حیثیت کے ساتھ ذمہ داری کے اضافہ اور اپنی موصات
 خلائق اور عہد روی کے احساسات کو ظاہر کرنے کے ساتھ شروع میں غلبہ اور زمانہ کے
 غرور و اقتدار کو ایک بڑی ٹھوکر لگائی یہی یہ فرما کر۔

و لو شئت لاهتدیت الطریق الی مصطفیٰ هذا العسل ولما یذوق الفصح
 و ناسج هذا القز و لکن یمعات ان یغلبنی هوای و یقودنی جشعی لالتغیر
 الاطعمۃ و لعل بالبحار و الیامۃ من لا طمع لہ فی القرص کلا عہد لہ بالشیع۔
 ”اگر میں چاہتا تو مجھے بھی ذرائع حاصل تھے کہ کھانے کے لئے اوصاف اور شفا
 شہد اور بہترین خلائق انداز اور پہننے کے لئے ریشم کے کپڑے میرے لئے موجود ہو جاتے
 لیکن حاشا دکلا اس بات کو کہ میری خواہشیں میرے اوپر غلبہ پائیں اور میری حرص مجھ کو
 لذت و غذاؤں کے انتخاب پر آمادہ کرے حالانکہ شاید مجاز یا پامہ میں ایسے اشخاص موجود
 ہوں جنہیں ایک دہائی کی بھی توقع نہیں اور میرے ہونے کے کھانے کا فرقہ تک معلوم نہیں۔“

اد ابیت مبطانا و حول بطون غرق، و اکبا و حری و اکون کما قال لقائل
 و حسبک داء افاق و تویبطنة و حولک اکبا و حقن الی القدر

”کیا بیش کم سیر ہو کر سو رہوں اس حالت میں کہ میرے گرد و پیش گرسہ شکم اور تپتے
 ہوئے کلیجے موجود ہیں اور میری وہ اپنی ہو جسے شاعر نے کہا ہو کر
 اس سے بڑھ کے تیرا رنگ کوئی نہیں ہو سکتا کہ تو غم میں مبتلا ہو کر دنیا سے سدا بہار

رعیت کے دکھ درد کا حکومت کی طرف سے احساس کیا جائے گا اس لئے ناسدہ منتخب
کئے ہوئے جمہور کے ہونگے وہ سمجھیں گے کہ ہمارے بھیجے ہوئے گئے ہیں۔ اس لئے
ہمارے مزدوریات کا لحاظ کرینگے اور ہمارے مصائب کا انھیں خیال ہوگا۔
دنیا سمجھی کہ اب ان استبدادی الاکم و شدائد سے نجات لگئی لیکن دنیا کے اقدار
اور زمانہ ہونے والے حوادث بتلاتے ہیں کہ یہ نظام بھی نفع انسان کے لئے فائدہ مند
ثابت نہوا۔

اس طرح سے بھی بے دست و پا افراد پر مظالم کا خاتمہ نہیں ہوا۔ طاقت و شہرت
وجاہت رکھنے والے صیاحان نام و نمود اور صاحب شخصیت افراد تو پہلے بھی ایک حد تک
صرف اپنے اعزاز و وجاہت، ثروت و دولت کی بنا پر محفوظ رہ سکتے تھے اور رہتے
تھے۔ وہ اب بھی محفوظ ہیں اور یہ طبقہ بہر حال زندگی کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو سکتا ہے
اور ہوتا ہے لیکن وہ کمزور افراد جو حقیقہً مراعات کے مستحق تھے جن کے مزدوریات حقیقہً سمجھنے
کے قابل تھے اور حقیقت جن کی اکثریت سی اس جمہور کی تشکیل ہوتی ہے اور جن کی زیادہ
تعداد اس پوری طاقت و قوت ملکی کے لئے ذرات حیات کی حیثیت رکھتی ہے۔
ان کے مزدوریات پہلے بھی نظر انداز ہوتے تھے اور اب بھی دل بہلانے کے لئے اور
رجحی پیدا کرنے کے لئے ایک مفہم ہو جسے "جمہوریت" کہتے ہیں اور خیال ہوتا ہے کہ
اس سے بڑھ کر تمام لوگوں کے منافع اور مصالح کا لحاظ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ
بہت سے لوگ جو مذہب کے تعلیمات کے علمبردار ہیں وہ اس معاملہ کو مذہبی لباس پہنا کر

وجعلوا العزة اهلها اذله فكذلك يفعلون -

”بادشاہ جب کہیں وارد ہوتے ہیں وہاں فساد پیدا کر دیتے ہیں اور عزت اور گور کے
دہاں کے ذیل کر دیتے ہیں۔ اُن کا عام طرز عمل یہی ہوتا ہے۔“

دنیا کے سلاطین بہت کم وہ ہیں جو اس مستثنیٰ ہونے تاریخ کے اوراق بھرے
پڑے ہیں۔ اُنکے فسادات کی فہرست جو دنیا میں برپا ہوئے ہیں طویل ہے۔ تاریخ
قدیم اور تاریخ جدید۔ ماقبل اسلام اور مابعد اسلام ہرزمانہ میں بادشاہوں کے تکیہ
کار ناموں سے اوراق تاریخ کے سیاہ پڑے ہوئے ہیں۔ ہر دور میں افراد انسان اس
جماعت کے ہاتھوں پریشان ہوتے رہے ہیں اور اخلاق جمیلہ ان کے ہاتھوں پامال
ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بادشاہ کی حیثیت ایک مالک کی قرار دے لی گئی اور
رعیت کے افراد کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا رہا جو غلاموں کے ساتھ کیا جاتا رہا۔
ایک بارہ وہ تھا جس وقت میں بادشاہ شخصی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا تھا۔
سلطنت کے معنی یہی تھے کہ ایک شخص تمام رعیت کے نظام کا ذمہ دار ہو۔ چاہے سیاہ
اکرے چاہے پیغید۔ دنیا ان مصائب گھبراہٹی اُن کلیغوں سے پریشان ہوئی جو
اس قسم کے بادشاہوں کے ہاتھوں رونما ہوئے۔ آخر اس کا حل بخیر کیا اور سمجھ کر اب
کا مایاب ہو گئے۔ وہ حل یہ تھا کہ بادشاہ شخص واحد ہو بلکہ ایک نظام جمہوری قائم ہو
اور اُسکے تحت میں حکومت ہو۔

اس طرح سلطنت کا مفاد چل ہوگا اور شخصی استبداد کو نکالیت نجات رہے گی۔

جرات بھی ان میں ہوتی کہ جو کچھ ان کا دماغ بتا رہا اس پر وہ قائم رہیں اور ہر نبی
 سمجھیں اُسی کے لئے رائے دیں اور ہرگز خارجی اثرات اور بڑی شخصیتوں کے اقتدار غلبہ
 سے مرعوب نہ ہوں اور وقتی خوشامد اور چالوسیوں سے متاثر نہ ہوں نہ کسی طرح کے تقاضے
 ذاتی و قومی غنا کا اثر لیں اگر افراد جمہور عموماً ان خصوصیات کے حامل ہو سکتے تو بیشک
 ان کو اکی اکثریت جو نظام طیار ہوتا وہ جمہور کے تمام طبقات کے لئے ضرور مفید ہی
 ثابت ہوتا لیکن جب تک کہ اس دنیا میں دو طبقے موجود ہیں ایک طبقہ خواص کا ہوا اور
 ایک طبقہ عوام کا جس کی اکثریت ہے۔ مگر یہ اکثریت پوری بسبب پُر دماغی افلاس اور
 ذہنی بے مائیگی اور اخلاقی کمزوری اور نفس کے چھوٹے پن کے اُسی خواص کی جماعت کی
 مٹھی کے اندر ہوا اور انہی کے آلہ کار ہوا جو خواص خود ہوا وہ اس اور ذاتی خود غرضیوں
 اور باہمی رقابتوں کا شکار ہیں اور ہمیشہ ہر چیز کو انہی غراض کے زائید نگاہ سے
 دیکھنے کے عادی ہیں۔ جب تک صورت قائم ہو اس وقت تک اس صحیح جمہوریت کی
 تشکیل ہی نہیں ہو سکتی جو عامہ خلائق کے لئے یکساں حیثیت سے مفید ہو سکے۔
 ہوتا کیا ہو؟ ایک میسر کسیر رئیس۔ راجہ ہمارا جہ کو اپنے سے موافق بنا لیجئے پس پھر حقیقہ
 اس کے متوسل دردا بستہ دہن ہیں وہ سب ہی آپ کے ہو گئے غیر ممکن ہے ایک اُپے
 سبھی ان میں سے آپ کے خلائق چلی جائے۔

صرف وہی نہیں جو اس وقت اس سے متوسل وابستہ ہیں بلکہ بہت سے لوگ جو اس
 رئیس سے کوئی توقع نہ رکھتے ہیں یہی اندیشہ فرد کا احساس رکھتے ہیں۔ اگر حکومت

یہ کہنے کے لئے ہمارے ہوتے ہیں کہ اسلام جمہوریت کا حامی ہو اور اسلام نے جمہوریت کی
 بنیاد قائم کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت اگر صحیح معنوں میں جمہوریت ہو تو یقیناً
 بہت سی ان شکایات کا علاج اسکے ذریعہ سے ہو سکتا ہے جو ایک شخص کے رحم و کرم
 چھوڑ دینے کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں لیکن وہ نظام جمہوری جو اس وقت دنیا میں قائم ہے
 وہ ان مصلحت و اغراض کو پورا نہیں کرتا جو نظام جمہوریت کے لئے عالم خیال میں
 متعین کر لئے گئے ہیں۔ آپ ان بڑی بڑی جمہوریتوں کو جانے دیجئے جو سلطنتوں کی
 شکل میں ہوتی ہیں یہ چھوٹے چھوٹے نظام جمہوری جو ہر محل کے لحاظ سے ہر شعبہ
 کے اعتبار سے آپ کے پیش نظر رہتے ہیں ان میں کیا حقیقت جو لوگ برسرِ اقتدار آتے
 ہیں وہ جمہور کے نامیدے ہوتے ہیں اور کیا واقعی جمہور کے اغراض و مقاصد ان
 لوگوں سے اس طرح پورے ہوتے ہیں جس طرح سے ظاہر کئے جاتے ہیں اور ان شخصوں
 افراد جمہور کے تکالیف و ضروریات کا صحیح محسوس ہو تا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر
 تمام افراد جمہور اہل الرائے ہوتے اور ہر شخص صلاحیت کھاتا ہو اس بات کی کہ وہ
 کسی مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کر سکے اور یہ سمجھ سکے کہ کون شخص ہمارے مفاد
 اور اغراض کے لئے مفید ہو اور کون مضر ہو۔ کون شخص ہمارا ناشی ہمدرد ہو
 اور کون حقیقی کس کے دعاوی و معاہدے وفا سے دوچار ہو سکتے ہیں اور کس کے عادی
 و معاہدے وفا سے بالکل بیگانہ۔ اگر ان تمام باتوں کو یہ سب سمجھ سکتے ہوتے اور
 اسکے ساتھ اپنی قوت ارادی کو صرف کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے یعنی اتنی عقلی

حاصل کر لیں۔ حقیقت یہ ہو کہ عالم دین میں مختلف طرح کی حیثیتیں شریک ہیں۔ وہ فرد بنی آدم ہونے کے لحاظ سے ایک آدمی ہو۔ بحیثیت ساکن شہر ہونے کے ایک شہری ہو۔ بحیثیت دُعا رکھنے کے ایک عاقل ہو اور پھر بحیثیت علم شریعت رکھنے کے عالم دین ہو۔ بحیثیت فقہ سے واقف ہونے کے فقیہ اور بحیثیت قوت اجتہاد رکھنے کے مجتہد ہو۔ آپاں کے پاس گئے۔ میونسپلٹی کا انتخاب پیش ہو۔ آپاں نے اپنی کارکردگی بیان کی۔ دو ایک اصحاب کا حوالہ دیا کہ وہ بھی اس سے خوب واقف ہیں۔ خود اپنے خصوصیات بتلائے کہ میں کون ہوں۔ وہاں ظلوا بالموہنین خیرا کا اصول پہلے سے جاری ہو۔ افعالِ مسلمین معمولۃ علی الصحتہ بھی موجود ہو۔ اقوال میں فطرت کا تقاضا بھی ہو۔ پر محمول ہونا موجود ہو۔

نتیجہ یہ ہوا کہ عالم دین صاحبِ نیکوئی دافرن کی کمی۔ ارشاد کیا واقعی اس کے خدمات قابلِ قدر ہیں۔ بس اب کیا ہو جلدی سے کاغذ پیش کیا کہ حضور اس پر تحریر فرمائی وہاں بھی قلم اٹھا گیا اور لکھ دیا گیا لیکن لکھنے والے نے بحیثیت ایک ذی شعور انسان ہونے کے لکھا بحیثیت ایک باشندہ شہر ہونے کے لکھا۔ بحیثیت ایک عاقل ہونیکے لکھا۔ جس کی انسان کی کچھ تعلقات لکھا ہوا اس کی کارکردگی کسی حد تک تھوڑی ہے۔ اسے حق ہو کہ وہ اظہار رائے کرے اور اگر وہ شہر میں رہتا ہو اور سڑکوں پر سے عبور کرتا ہو تو اُسے اُن سڑکوں کی حالت خوش، تنظافی یا صفائی کے اظہار کا بھی موقع ہو لیکن یہاں نتیجہ کیا ہوا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ اس تحریر سے غلط فائدہ اٹھا گیا یعنی اس تحریر کو

ان کے خلیق نہیں مگر صرف اس سید اور خوف کی وجہ سے کہ آئندہ ہادی ضرورت
 وابستہ ہوگی یا کہیں اس کے ذریعے سے ہم کو یہ نقصان نہ پہنچ جائے وہ کبھی
 صرف اس میں کی موافقت کی بنا پر اُسی کے ساتھ اتفاق کریں گے اور ہر
 لوگ ایسے ہیں کہ جو نہ کوئی امید رکھتے ہیں اور نہ کوئی اندیشہ لیکن صرف اپنے نفس کے
 چھوٹے پن سے اُسکی دولت و شہمت کو ایک بڑی چیز سمجھ کر اُس کا اشارہ کے سامنے
 سرنگوں ہو جانا اپنی فطرت کا تقاضا پاتے ہیں۔ یہ لوگ اُس کی بات نہیں مالتومرت
 اس لئے کہ وہ ایک برا آدمی ہے۔

اب اس میں کے موافق کر لینے کے بعد اتنی کثیر التعداد رائیں جو حاصل ہوئیں اور
 ان کے ذریعے سے جس اکثریت کی تشکیل ہوئی وہ حقیقتہً اکثریت ہر زیادہ نام پر صرف
 اس ایک میں کی رائے کا جس کے زیر اثر یہ سب کچھ ہوا ہے ؟

اسی طرح دوسرے ایسے لوگ جن کے ساتھ کسی نہ کسی طرح ضروریات خلق کا تعلق
 ہے جیسے دیکل بیرسٹر، حکیم، ڈاکٹر ان میں سے کسی ایک کو ہوا کر لینے کا نتیجہ
 یہ ہوتا ہے کہ جتنے لوگوں کے ضرورت یا ان سے وابستہ ہیں وہ سب متفق ہو جائیں۔
 سب سے زیادہ مؤثر سب سے زیادہ لوگوں کو دھوکا دینے والی چیز سب سے زیادہ

لوگوں کے دماغوں کے اوپر اثر ڈالنے والی چیز اور سب سے زیادہ گمراہ کن چیز یہ ہے کہ
 اس طرح کے دنیاوی معاملات میں جیسے مینڈیپاٹی کا انتخاب کو سنسنل کا مقابلہ کسی خاص
 جگہ کی امید واری ان تمام مواقع میں کسی عالم دین کے دستخط لے لیں اور انکی تائید کو

رہنے والے۔ بہت کم آدمی اور آدمیوں کے گردش کر نیوالے میں بیچ کھتا ہوں۔
 بہت ممکن ہے کہ ہم کو اپنے سکونشی حلقوں کے اکثر راستوں اور گلیوں کے کبھی دیکھنے کا
 اتفاق بھی نہوا ہو اور صرف محدود ایک ماہ میں وہ ہوں جن سے ہم عام طور سے گذر
 کرتے ہیں اور پھر ہمیں اتنی توجہ کہاں کہ ہم پورے طور پر اس شہر کے تمام خصوصیات کو براہ
 دیکھتے رہا کریں۔ اس صورت میں ہماری یہ رائے کہ مینیسٹیٹ کے انتخاب میں فلاں شخص
 کو ووٹ دیا جائے کیا وزن رکھتی ہے۔ اور جہاں گشت و جہاں پیا اشخاص کو جو ہر راستے
 گلی میں برابر گزرتے رہتے ہیں اور ہم سے زیادہ حالات شخصی سے واقف ہیں ہماری
 اس رائے سے متاثر ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

یقینی جو شخص علما کے تحریرات اس غرض سے حاصل کرتا ہے کہ ان سے عامہ افراد
 کے ذہن کو متاثر کرے وہ اکمل انتہائی گمراہ کن فریب کاری کا مجرم ہے۔ اب ان تحریرات
 کے اثر سے جو رائے حاصل ہونگی انھیں حقیقت یہ سمجھنا کہ وہ اتنے اشخاص کی رائے ہیں
 بالکل غلط ہے اور ان رائوں کی اکثریت سے جو جمہوری شکل طیار ہو گئے کبھی جمہوریت
 کا صحیح مصداق نہیں سمجھا جاسکتا۔

عوام کی یہ حالت بھی ہوتی ہے کہ جس شخص کے متعلق شہرت پیدا ہو جائے کہ فلاں شخص
 بہت اُپنیٹنگی کا مایاب ہی ہو گا بس اب جو ہر اسے میلان طبع اس کی طرف ہوجائے گا
 جس طرح کسی بڑے مقام پر جیسے آصف الدولہ کا امامبارہ مجلس کیجئے اور لوگوں کو
 یقین ملا دیجئے کہ اس مجلس میں بڑا مجمع ہو گا۔ اب ہر شخص ہی خیال ذہن میں لیکر اس مجلس

بحیثیت ایک عالم دین کے فتوے کے شائع کیا جس سے اُس کے مقلدین اور مخلصین و متقدین کی کثیر تعداد پراثر پڑے۔ اُن میں اگر سمجھنے کی صلاحیت بھی ہو تو وہ اُس صلاحیت سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ دماغ کی طاقتیں صرف ہونے ہی نہ پائیں حالانکہ اگر خود مجتہد سے پوچھا جائے کہ کیا اس مسئلہ میں کہ فلاں شخص کو دوٹو دیا جائے یا کبھی تقلید واجب ہو تو وہ خود لکھ کر گھبرا کر نہیں بتا لیں کہ احکام شرعی کلیات میں جاری ہوتے ہیں لیکن افراد و جزئیات کے خصوصی حالات و عام افراد کے ذاتی عقائد و رائے سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان میں مجتہد اگر رائے ظاہر بھی کر گیا تو وہ بحیثیت مجتہد کے نہیں ہوگی بلکہ بحیثیت ایک عاقل در صاحب رائے انسان کے ان باتوں میں بہت ممکن ہو مجتہد کی رائے صحیح ہو اور آپ کی رائے اُس کے مقابلہ میں صحت رکھتی ہو۔

اس لئے یہ ہرگز روا نہیں ہو کہ امتحان کے معاملہ میں ایک مجتہد کی تائید کو وہ حیثیت دے جس کو کسی شرعی مسئلہ میں اُس کے فتوے کی ہو سکتی ہو۔ یہ بات کہ فلاں شخص فقیر منتخب ہونے کے قابل ہو یا نہیں اس میں آپ خود رائے قائم کیجئے اور اپنے معلومات سے کام لیجئے۔ بہت ممکن ہو کہ آپ کو اُس شخص کے ایسے اوصاف اور حالات معلوم ہوں جو مجتہد کے علم میں بھی نہیں ہیں کیونکہ علماء کے سامنے تو ہر شخص چھانکے آتا ہوا رہتا ہے جس سے اچھا انسان ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہوا ردہ اسے پورے طور پر سمجھ نہیں سکتے کیونکہ ان کے تعلقات کم اردہ اپنے گھر میں بیٹھنے والے اور اپنے کاموں میں مصروف

بات یہ کہ کہ ہنی آنکھوں سے اوجھل ہر اس لئے اُس کا اخراق کم نہیں رہتا اور حال کوئی چیز نہیں اور مستقبل بہر حال تو قعات سے وابستہ اور تو قعات موعید پر قائم اور موعید کا اعتبار الفاظ کی جاذبیت و کشش کیسا تمہر متعلق ۔

پھر دشواری یہ کہ کہ ایک ایسے منصب کے انتخاب میں جو صرف کارگزاری اور محل متعلق ہے لحاظ کیا جاتا ہے خارجی چیزوں کا ۔ مثلاً امیدواروں میں ایک تہیہ ایک غیر سید ۔ بے شک سید شرف ہر گز یہ تو ضروری نہیں کہ وہ اُس کام کو بھی زیادہ بہتر طریقہ پر انجام دے سکتا ہو ۔ اسی طرح یہ کہ فلاں امیدوار اس مذہب کا پیرو ہے اور فلاں امیدوار دوسرے مذہب کا پیرو ۔ عوام کو ان باتوں کی طرف توجہ دلاتا اور اس کو بڑے موثر الفاظ میں پیش کرنا کہ فلاں مسک عقیدہ جماعت والے کو منتخب نہ کر دے کیونکہ اُس کے یہ خیالات ہیں اور یہ خیالات میں عوام کے خدا کیسے کھیلنے کا مراد ہے ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ سوال قابلیت اور عدم قابلیت کا رہا ہی نہیں ۔ پھر ان صورتوں سے جو انتخاب ہو وہ کہاں تک مفاد عامہ کو پورا کرنے والا ہو سکتا ہے ۔

اس کا نتیجہ یہ کہ موجودہ جمہوریت درحقیقت ایک جماعتی ہتھیار ہے جس میں چند لوگ بطور سازش شریک ہوتے ہیں اور تمام افراد جمہور کو مکرو فریب جیلہ و مزدور وغیرہ سے اُسی کا پابند بنا لیتے ہیں ۔

اسی وجہ سے وہ امن و امان جو دنیا میں ہونا چاہیے وہ نہ اُس انتظام میں نہ تھا اور نہ اس وقت کے انتظام میں ہے ۔ نہ اس وقت کمزور لوگ طاقتوروں کے ظلم کر

میں جا بیکار بڑی مجلس ہوگی۔ چلنا ضرور چاہیے۔ حالانکہ اُس کے بڑے ہونے کی تشکیل غصہ انہی لوگوں کے اجتماع سے ہوگی جو اس خیال کو دلیں جگہ دے ہوئے جا رہے ہیں۔

معلوم ہوا کہ عوام کی مثال اکثر و بیشتر اُن تنکوں کی سی ہے جو سیلاب میں بہتو ہوئے ہزاروں کو س چلے جاتے ہیں۔ اُنکے نہ قوت ارادی ہوتی ہے اور نہ کوئی بلے۔ پھر ان فرد کی اکثریت کیا صحت؟ اصابت کی ذمہ دار ہوتی ہے اور اُن کے فیصلہ کو کب جمہوریت کے مفاد کا صحیح پورا کرنے والا سمجھا جاسکتا ہے۔

پھر اس کے ساتھ عوام کی کارستانیاں۔ طرح طرح کے معاہدے اور جھوٹی طفل تسلیاں عیوب کی پرکھ داری اور محاسن کا اعلان و اظہار، مضرت سال کو ششوں کو منفعت کا لباس پہنانا اور اُن باتوں کو جو مفاد عام کے خلاف کی گئی ہوں خدمت خلق کا لباس بدل کے پیش کرنا۔ اپنی غلطیوں کا انکار اور اُن کی بیجا تاویل۔

ایک بات اور کہ عوام کا حافظہ کمزور ہوتا ہے اگر کسی ممبر سے دوران سال میں شکایات بھی پیدا ہوتے اور عوام میں اُس کے خلاف بھیجان بھی پیدا ہوا لیکن بجا پرانی ہو گئی تو اُس کا کچھ اثر نہیں۔ اب جب انتخاب کا موقع آیا تو وہ آدمی گویا بالکل نیا ہے اس وقت میں اُس سے بڑھ کر کوئی ہمدرد نہیں۔ پھر تین سال تک یعنی دو سکر انتخاب کے وقت تک جو حال زاہد ہو کر یہ کریں گے افسوس ہم نہیں جانتے تھے کہ یہ شخص ایسا نکالے گا اور پھر جب موقع آیا تو وہی کہہ جاتا ہے کہ نہیں اب کی یہ ٹھیک ہے جو جائیگا حالانکہ میں جس طرح الجھو بھلت بد مذماتہ ”آزاد و آزاد مومن جو مل است“

وہ لڑائی کر رہی تھی اس جنگ کے مقابل میں جو در تہذیب تمدن میں برپا ہوئی۔
 اتنی بڑی دنیا کے اس دامن کو صدمہ پہنچانے والی کا رزار ہادی آنکھوں کے
 سامنے آ چکی اس کے بعد ہم کیسے سمجھیں کہ دنیا جس تہذیب تمدن کی علمبردار ہے
 وہ حقیقتہً اصلاح عالم کا دوسرا درجہ۔

آپ اصلاح عالم کی علمبردار طاقتوں کو دیکھئے وہ کتنے تدابیر کر رہے ہیں کہ
 دنیا کا نظام درست ہو اور قصادم کی صورت میں مفقود ہوں مجلسِ قوام قائم کی گئی
 تمام ممالک کے دوسرا نمائندے جمع ہوں تمام معاملات کو کچھتی دہم آہنگی، تعاون
 باہمی کے ساتھ طے کریں لیکن اگر اس مجلسِ قوام کے اراکین خود غرضی کے جذبات سے
 علیحدہ ہوتے یعنی اپنی شخصیت اور جہتیں ملکی انفرادیت کو فنا کر کے دوسروں عامہ
 خلق کے مفاد کو پیش نظر رکھتے تو ان کے ذریعے سے اس دامنِ عالم ضرور درست ہو جاتا
 مگر جب صورت یہ ہو کہ زبان پر ”عالم“ اور دل میں ”ہم“ زبان پر یہ کہ دنیا کی تعمیر
 مقصدِ دادرل میں ہے کہ اپنی طاقت میں اضافہ اور اپنا زیادہ سے زیادہ فائدہ۔ تو اب
 سوال اس کے کہ کاغذ کے صفحات پر اس درجہ جنگ بتخفیفِ صلح۔ صلح عمومی وغیرہ
 کے تجاویز ثبت ہو جائیں۔ مقامِ عمل میں اس کے خلاف طرزِ عمل قائم رہے زبان پر
 یہ کہ لڑائی نہ ہونا چاہیئے اور عمل یہ کہ ہر ملک زیادہ سے زیادہ سامانِ جنگ کی
 طیارہ میں مصروف اور اس مقصد کے لئے زیادہ سے زیادہ روپیہ صرف کرنے
 کے لئے موجود۔ بڑے بڑے کارخانے۔ نئے نئے ہولناک حربے طریقے اور دنیا بھر

محفوظ تھے اور اس وقت محفوظ ہیں۔ عدالتیں ضرور قائم کیجاتی ہیں۔ مگر کسی کو کیا معلوم کہ کتنے غلط مقدمات حق بنائے جاتے ہیں اور کتنے سچے استغاثے مسترد ہو جاتے ہیں۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ حقیقت نہیاجس اصلاح کی طالب ہے وہ اصلاح کسی طرح اس جمہوریت کے نظام میں نہیں ہوتی جسے دنیا نے خوش آئند سمجھ لیا ہے۔

تہذیب تمدن کے مایہ فساد کی کافرمانی



دنیا کی ترقی یا منزل کی رفتار

اُن چیزوں میں سے جو اصلاح کی ذمہ دار ہیں لیکن عملی طور پر فساد میں صرف کیجاتی ہیں ایک تہذیب تمدن کا آئین ہے اور اس زمانہ میں جبکہ مذہب کی طاقت کمزور بنا دی گئی ہے۔ دنیا کے نام سلاطین اور ترقی یافتہ اقوام اپنے تئیں اسی چیز کا علمبردار بتلاتے ہیں یعنی تمدن و تہذیب کا لیکن اس تمدن و تہذیب کے پردہ میں عالم میں کیسے فسادات برپا ہوئے، اس کو جنگ عظیم سے پوچھئے۔ وہ ہمارت کی لڑائی جس کے متعلق اب لوگوں کو شبہ ہے کہ وہ صلہیت کھتی بھی ہے یا صرف حق و باطل کی طاقتوں کے تصادم کی ایک تمثیلی صورت ہے۔

ثابت ہوئی ترقی کس طرح نمایاں ہوئی؟ وہی جان لینے کا امکان بڑھا۔ اس کے مختلف
 طرح کی چیزوں کی ایجاد ہوئیں۔ توہیں ایجاد ہوئیں، گو لے بنے۔ ایسے گرے جھینٹے
 کے بعد شدداً شخص کو ایک ساتھ زخمی کر سکیں یا فنا کریں۔ توہیں ایسی جن کے گو لے
 بڑی بڑی عمارتوں کو سہا کر دیں۔ دیکھئے تہن ترقی کر رہا ہے۔ تہنیں بگے بڑے
 رہی ہے۔ اصلاح عالم کی کوشش بروئے کار ہو رہی ہے یعنی جان لینے کے ذریعہ بڑے
 سہے ہیں۔ اچھا اب یہ چیزیں کافی ثابت ہوئیں۔ ناکافی کیوں ثابت ہوئیں؟
 اگر مقصد جان کا لینا نہ تھا تو کافی اور ناکافی کا سوال ہی پیدا نہوتا۔ معلوم ہوتا
 ہے زبان سے دعویٰ اصلاح عالم کا لیکن دل میں نصب العین فنا کرنے کا نتیجہ کیا
 ہوا کہ اب ہر بے لگس ایجاد ہوئے جن میں نہ دشمن کو آنکھ سے دیکھنے کی ضرورت
 نہ نشانہ کو کٹنے کی حاجت۔ دور ہی دور سے اُس گیس کو مقصودہ فضا میں پھیلانے
 ہر ذی روح کو اُس فضا کی ہلاک کر دیا۔ جس میں کتنے ہی بے جرم تھے اور کتنے
 غیر ذی شعور۔

ترقی اب تک اس نقطہ پر پہنچی۔ ابھی ختم تھوڑی ہو گئی ہے۔ آگے آگے
 دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

یہ انسان کی ترقی اور تہذیب جس پر ناز اور فخر کیا جاتا ہے جس کی بنا پر
 اصلاح عالم کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔

ارہوں تک وہیہ سلطنتوں کی جانب سے نظام حربی میں ہر سال منظور ہوتا ہے

فنا کرنے کے واسطے پہلے زمانہ کے سلاطین کا رہنمایاں سمجھتے تھے عالم کی تعمیر کرنا اور
 آجکل سرمایہ نماز سمجھا جا رہا ہے عالم کو فنا کرنے کے زیادہ سے زیادہ سامان کرنا۔
 اب بتلایا ہے کہ اگر یہ چیزیں صرف ہونی والی نہیں ہیں تو بن کیوں رہی ہیں۔
 ہر چیز کا بننا خود اس کے موقع استعمال کا پتہ دیتا ہے۔ مثل مشہور ہر کلمہ ضرورت
 ایجاد کی ماں ہے۔

پھر اگر دنیا امن و امان کے راستے پر جا رہی ہے اور صلاح کے جادہ پر کامزن
 ہے تو ضرورت کہے ان آلات کے ایجاد کی اور جب ضرورت نہیں تو ایجاد کا محرک کیا ہے؟
 اب ملاحظہ کیجئے۔ ایک وقت وہ تھا کہ جب مواقع جان لینے کے کم تھے مہنگے ہاتھ
 خنجر تلوار۔ دھار دار آلات اسکے لئے ضرورت تھی کہ دشمن سے اتصال ہو۔
 اس وقت اس کی زندگی کے فنا کرنے کا سراںجام ہو۔ اسکے منی یہ ہیں کہ امکانات جان
 لینے کے کم تھے۔ دنیا نے جب ترقی کی اور تمدن زیادہ ہوا تو تیر۔ فلاخن وغیرہ
 ایسی چیزوں کی ایجاد ہوئی جن سے حربہ دور تک جاتا ہے۔ امکان جان لینے کے
 بڑے مگر تیر ایک محدود مسافت تک جانے والا اور ایک محدود دائرہ رکھنے والا۔ اگر
 کسی خاص محل مثلاً سینہ وغیرہ پر پڑ گیا ہے اس طرح کہ توڑ کر نکل گیا تب تو زندگی
 ختم کر دیتا مگر یوں کثیر التعداد تیر ایک انسان کے جسم پر پڑتے اور پھر بھی اسکی زندگی
 ختم نہ ہوتی بلکہ تیر کو کھینچ کر پھینک دینے پر صرف ایک خم ہوتا جو نمایاں ہو جاتا۔ پھر
 زمانہ نے ترقی کی بندوق کی ایجاد ہوئی۔ اسکی گولی تیر سے بھی زیادہ خطرناک

نظام ہی ترقی پسند ہو تو پھر اب یہ متضاد قدم جو اٹھنے لگے جو رفتہ رفتہ قریب
لا رہے ہیں اسی ابتدائی منزل کی طرف بلکہ جماعت انسانی کے ایک طبقہ میں وہ منزل
بالکل آہی گئی ہر ان قدموں کو جس کی سمجھوں۔ ترقی کے قدم یا منزل کے ؟

نظام اجتماعی اور نظام معاشرتی میں ایک دوری حرکت نظر آ رہی ہو۔
مادی تالیف کے لئے ایک وقت میں انسان جانوروں کی طرح "فطرت" کی مادی
زندگی گزارتا تھا۔ لباس نہیں۔ مکان نہیں۔ رفتہ رفتہ خیال پیدا ہوا کہ ہم کو
لباس کی بھی ضرورت ہے۔ مجموعہ عالم انسانی کو ایک متوازی حیثیت سے یہ احساس
پیدا ہو رہا ہے۔ اسے میں نتیجہ ترقی سمجھوں یا صورت منزل۔ اگر نتیجہ منزل تو وہ
آپ کا نظریہ کہ دنیا بالطبع ترقی کی طرف مائل ہو اور ہر نوع اپنے حدود میں آگے
بڑھتی رہتی ہو یہاں تک کہ جب اس نوع کے حدود میں ترقی کی منزلیں ختم ہو جاتی
ہیں تو وہ دوسری بالا تر نوع کی طرف منتقل ہو جاتی ہے لیکن ترقی سے باز نہیں ہوتی
اگر شریعت کے پیدا شدہ احساسات معاشرتی و تمدنی کو جس نوع انسان کا منزل
سمجھوں تو یہ ماننا پڑے گا کہ طویل زمانہ تک عالم انسانی مائل بہ منزل رہا ہے۔ وہ
سب پہلے فقط جو تعالیٰ فی فطرت مافج کا وہ نقطہ ترقی تھا اور اسکے بعد جب اسکو
مخلقات و تصنیعات کی طرف توجہ پیدا ہوئی تو یہ سب قدم پستی کی طرف جانے والے
تھے لیکن یہ آپ کے ہول کے خلاف ہو۔ آپ کی بنا پر جو قدم انسانیت نے اٹھا یا وہ
ترقی ہی کی طرف تھا۔ ان قدموں کے منازل تمدنی آگے بڑھتے رہے پہلے احساس

اور ہر حکومت اس کا خمیر میں اپنی قدرت و طاقت بھر حصہ لیتی ہے۔ اس کا نام ہر تہذیب اور ہر تمدن جو اپنی ترقی کے ساتھ دنیا کی بربادی کا سامان دیکھا کر بیٹھے۔ اس کے بعد کہا جاتا ہے کہ عالم ترقی کر رہا ہے مگر ترقی کر کے ہر شے اپنی ابتدائی منزل سے دور ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ ہر چیز کو ابتدائی نقطہ پر آجائے۔ آپ پھر مکان سے روانہ ہوئے مدرسۃ العظیمین کے زیادہ سے بھڑکی دیر میں دیکھا تو پھر اپنے مکان کے دروازہ پر تھے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو قدم آپ منزل مقصد تک پہنچنے کے خیال سے اٹھا رہے تھے وہ معکوس حیثیت رکھتے تھے اور جہاں سے چلے تھے وہیں سے قریب لے رہے تھے دنیا برابر چلتی رہی اگر یہ ترقی ہی کرتی رہتی تو اب اس کے دور وحشت کو پھر واپس آنا چاہیے تھا۔ وہ ابتدائی بہیمت کا زمانہ جبکہ انسان برہنہ رہتا تھا اور اسے لباس کی ضرورت نہ تھی جبکہ آفتاب کی شعاعیں پوری طاقت سے اس پر پڑتی تھیں اور اس میں غیر ارادی طور پر بھی وہ روزانہ نہایا کرتا تھا۔ یہ دور تھا جس سے بقول ارباب ارتقا و انسان کی ابتدا ہوئی تو اب اگر حقیقتہً دنیا نے ترقی کی ہو اور یہ نظام ہی ترقی پر مبنی ہو تو ماننا پڑے گا کہ وہ ابتدائی نقطہ سب سے پہلے تھا جس کے بعد انسانیت رفتہ رفتہ آگے بڑھی ضرورت محسوس ہوئی لباس کی اور لباس میں تنوع پیدا ہوا اور تدریجی زیادتی ہوئی یہاں تک کہ مختلف ممالک میں مختلف طرح کے لباسوں کی ایجاد ہو گئی۔

اگر یہ تمام قدم جو اٹھ رہے تھے ترقی کے تھے اور ہونا یونہی چاہیے جبکہ عالم کا

منزل کے قدم ہیں جن کا نتیجہ ہر دہریاتی جو درادل میں انسان کے لئے حاصل ہوتی۔
 بات یہ ہرگز انسان جب تک اسے میں ہر وہ صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا کہ یہ راستہ
 منزل سے قریب ہے یا ہرگز یا بعدین جب نتیجہ سامنے آجائے اور آخر میں دیکھے کہ جہاں
 سے چلا تھا وہیں پہنچ گیا تو معلوم ہوگا کہ یہ سب کام لٹے تھے لیکن یاد رکھنا چاہی
 کہ یہ ایک ہی دفعہ صورت نہیں پیش آسکتی بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ بہت پہلے سے
 راستہ غلط ہو گیا تھا اور رخ بدل چکا تھا۔ آپ کے خطوط سیر کے سطحی حدود میں کوئی
 نقطہ ایسا تھا کہ اُس نقطہ کے بعد اگر آپ کسی خاص طرف آگے بڑھتے تو جادہ پیانی ٹھیک
 رہتی لیکن اُس نقطہ کے بعد آپ نے کوئی ایسا پھیر کھا لیا جس کے بعد اب جو قدم بھی
 آپ نے اٹھا یا وہ پیچھے لانیوالا تھا آگے بڑھنے والا نہیں لیکن اس کا یہ آپ کو اس وقت
 چلے گا جب ایک مرتبہ آپ کے سامنے آپ کا وہی مکان آجائیگا جہاں سے کہ آپ نے روانہ ہوئے تھے۔
 اسی صورت سے نوع انسانی کی رفتار کو دیکھیے۔ ہم چلے تھے کہاں سے برسنگی کی
 منزل سے بڑھے اور بڑھتے چلے گئے اور نہ معلوم کتنا حقیقت بڑھتے رہے اسکے بعد ہم نے
 قدم روکے نہیں چلنا جاری رکھا اور سمجھتے ہی رہے کہ بڑھ رہے ہیں لیکن واقعا اب قدم
 پیچھے ہٹ رہے تھے اور رجعت کی طرف میلان تھا یہاں تک کہ ہم نے آنکھیں کھولیں
 تو نوع انسانی اُسی دروازہ کے سامنے نظر آئی جہاں سے چلی تھی یعنی برسنگی کا دروازہ
 کیا اب بھی ہماری سمجھ میں نہیں آئیگا کہ ہمارا راستہ مدتوں سے غلط ہو گیا تھا اور
 جسے ہم ترقی سمجھ رہے تھے وہ حقیقتہً منزل تھا۔ اور کچھ نہیں۔ وہ فساد تھا جسے ہم صلاح

پیدا ہو کہ بالکل برنگی ابھی نہیں شرم و حیا کا جذبہ پیدا ہوا اور ضروری و مخصوص اجزاء
جسم کے ستر کا احساس پیدا ہوا پھر اس پر اضافہ ہوتا رہا۔ آخر میں تمام جسم پر پیل
آیا۔ اب یہ درجہ انتہائی حد کو پہنچ گیا یعنی پورے جسم انسانی ڈھل گیا۔ لیکن اس
بعد ہم دیکھ لیتے ہیں کہ جیسے ہلال کے بدربننے کے بعد پھر قاقی رفتار شروع ہوتی ہے اسی طرح
یہ معاشرت انسانی اس منزل پر پہنچنے کے بعد کھلے پاؤں یعنی جس طرح قدرتی
حیثیت سے اضافہ ہوا تھا اسی طرح قدرتی حیثیت سے تخفیف شروع ہوئی، لباس
کے طویل و عریض ہونے کے بجائے اختصار کی طرف خیال گیا۔ پاؤں کٹے کھلے کلاہیاں
کھلیں، کنڈیاں کھلیں، بازو کھلے سینہ پر کھلا کھلا، حلق کھلا دھندھکی کا حصہ کھلا
گر بیان کے حصہ کا سینہ کھلا۔ سپرد میں گئے کھلے، پنڈلیاں کھلیں، گھٹنے کھلے اور
راؤں تک ذوب ہو چکی اب یہ رفتار اپنی انتہا تک یعنی نقطہ ابتدائی تک پہنچ گئی
تحریک برنگی کے ذریعے جو اس وقت مالک تمدن میں برابر برہم رہی ہو اور خود
آپ کے ہندوستان میں اسی جماعت پیدا ہو گئی ہے جس کا خیال یہ ہو کہ برنگی انسانوں
کے لئے مفید ہو۔

پیکوس قدم اٹھے اور پہلی منزل تک پہنچ گئے جہاں سے کہ چلے تھے تو اگر
ابتدائی قدم جو عالم انسانی نے اٹھائے تھے وہ ترقی کے قدم تھے اور ضرورت کے کنڈیک
ابتداء انسانیت کی یقیناً پستی سے تھی اور پھر ملندی حاصل ہوئی تو اننا پر ہیکا کہ یہ
قدم جو اب اٹھ رہے ہیں اور پہلی منزل کی طرف کشاں کشاں لئے جا رہے ہیں یہ

خیر باد کہا۔ ان سب باتوں کے بجائے بطنع آکلیا فریب کاری آگئی۔ ملیع ماری
 آگئی۔ اگر اس کا نام ہے ترقی تو بے شک عالم انسانیت ترقی کر رہا ہے۔ تو بیشک
 تمدن اور تہذیب نے انتہائی نقطہ کمال تک پہنچ گیا ہے لیکن حقیقت یہ تمام
 صورتیں فساد کا درجہ رکھتی ہیں۔ اور وہ تمدن و تہذیب جو صلاح عالم کے نام سے
 دنیا میں برپا ہے وہ ایک بڑا ذریعہ ہے دنیا کو فساد کے راستے پر پہچانے کا
 مگر تفرقہ کو محکمہ ہو اس لئے کہ دنیا ظاہر پرست ہو اور ظاہری حدود میں بلندی ہی
 بلندی ہے تب ہی کام نہیں پھر کیونکر یقین کیا جائے کہ یہ بلندی اصل بلندی ہے اور
 یہ ترقی حقیقتہً تنزل۔

طبائع انسانی میں فساد کے تقاضے

فساد کا تقاضا انسان کی طبع میں اُن مادی خصوصیات کی بنا پر پایا جاتا ہے
 جو انسان میں اس کی جسمانی حیثیت سے دولیت ہیں کیونکہ انسان بحیثیت جسمانی تمام
 کائنات کا لب لباب ہے یعنی اس میں جادویت کے آثار بھی ہیں نباتیت کے آثار
 بھی ہیں اور اسی طرح حیوانیت کے آثار بھی پائے جاتے ہیں اور ان آثار کے لازمہ
 میں نقائص اس میں پیدا ہوتے ہیں جن کا دفعیہ اور رد عمل اُن خصوصیات سے ہوتا رہی
 جو اس میں بحیثیت انسانی دولیت ہیں۔

اس مادیت اور روحانیت کی سموئی ہوئی کیفیت کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اس میں

سمجھ رہے تھے وہ تخریب تھی جسے تعمیر کے نام پر کیا جا رہا تھا۔
 معلوم ہوا کہ یہ تمدن اور تہذیب جو مصلح عالم کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے یہی
 ہمیں فساد کی طرف لے جا رہا ہے۔ میرے ہمتی کہتا ہوں کہ اس وقت دنیا میں ہی وحشت ہی اہمیت
 دے رہی ہے۔ زندگی موجود ہے۔ جو پورا تمدنی دوزخ میں تھی۔ کتوں کا ہڈیوں پر پڑنا۔ بلیوں کا ایک دوسرے کو
 دیکھ کر غراتا۔ مینڈھوں کا آپس میں سر ملنا۔ بھیر لویں کا بھیر دلوں کو شکار کر لیا
 اور چیر بھاڑ کر کھانا سب سے ترقی یافتہ "ہند" "متدین" انسان میں پایا
 جا رہا ہے۔ بلکہ اسکی ضرر رسائی اور خطرناکی میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اسلئے کہ ان تمام باتوں
 میں فطرت والی سادگی یا سچائی باقی نہیں رہی ہے۔ بلکہ مکارانہ تصنع اور جھلسازانہ
 نبوٹ کا غلاف چڑھ گیا ہے۔ یعنی سابقہ زمانہ کا انسان اگر جانور تھا تو سچے بے لوث
 جانور اور اب انسان جانور بھی ہے۔ اور جھوٹا مکار اور غاباز جھلساز بھی ہے۔
 وہ طاقت اور اقتدار کا مظاہرہ صرف اپنی مرضی کی بنیاد پر کرتا تھا اور عملاً ظاہر کرتا تھا کہ
 وہ درندہ ہے۔ لیکن اب کا انسان یا جانور یا انسانی کو نفع کے لہجے کے نظریہ کا لباس پہنا دیتا ہے۔
 آفتاب کی شعاعوں سے دوڑ بنگی میں انسان ہمیشہ متمتع ہوتا تھا۔ لیکن وہ
 آفتابی غسل "کافر" کے در نام نہیں جانتا تھا۔ اب یہ نام ایجاد ہو گیا اس لئے
 سچے بے لوث لوگوں کو اس کی افادی حیثیت کا یقین بھی دلا یا جاتا ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ فساد طبع میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ برے اوصاف
 جنہ سے ہی طرح قائم ہیں لیکن فطرت کی سچائی و خصلت ہو گئی اور سادگی چلی گئی۔ غلوں

انکے لئے انسانوں میں مفسد اور مصلح دونوں طرح کے نمونے پائے جاتے ہیں اور چونکہ مصلح اور فساد دونوں ذرائع کے محتاج ہیں اس لئے بہت سے ان انسانوں میں جو ظاہر میں کچھ بھی نہیں مصلح ہیں نہ مفسد صلاحیتیں ایسی موجود ہیں کہ اگر ان کے ساتھ اسباب شریک سال ہو جائیں تو ان سے بڑھ کر مصلح یا مفسد کوئی نہ ہو۔

یہ ظاہر ہے کہ جب تک کسی طرح کا اقتدار نہ حاصل ہو اور سی قوت کا سہارا نہ ملے اس وقت تک کسی طرح کی کوشش بار آور نہیں ہو سکتی نہ کوشش مصلح اور نہ کوشش فساد ممکن ہے کچھ لوگ ایسے نیک دل ہوں کہ ان کے دل میں بہت سے ارادے ہوں مصلح عالم کے مگر وہ بے دست پاد ہونے کی وجہ سے اپنے ان ارادوں کو مقام عمل میں لاسکتے ہوں یہ لوگ اپنے ضمیر اور اپنی نیت کے لحاظ سے مصلح و مصلح ہیں مگر دنیا میں مصلح ہونے کے لئے جن اسباب کی ضرورت ہو وہ اسباب ان کے پاس مفقود ہیں اسکے برعکس بہت سے لوگ دنیا میں ایسے ہیں کہ جو فساد کا ذریعہ کہتے ہیں اور مفسدہ پرورد ہیں۔ اگر ان کو موقع ملے تو فساد برپا کریں اور عالم کو خرابی کے اس نقطہ تک پہنچا دیں جس کے بعد مصلح غیر ممکن ہو مگر ان کو ایسے مواقع حاصل نہیں ہیں۔

وہ اپنے خیالات کی نشر و اشاعت کا سامان نہیں پاتے اور نہ اتنا اقتدار رکھتے ہیں کہ جو بات کہیں اسے لوگ مان لیں اور تسلیم کر لیں۔

بلندی اور سبب دونوں کی انتہائی صلاحیتیں پیدا ہو گئی ہیں یعنی وہ بڑے تو فرشتے سے
بالا تر ہو جائے اور گھٹے تو حیواناں سے بدتر ہو جائے۔ فساد انسان کی ادنیٰ حیثیت کے
تا ایک پہلو کا نام ہے اور اسی لئے جب اس نوع کے مخلوق پیدا ہونے کا سوال آیا
تھا تو جمعی اس کے اس تا ایک پہلو پر نگاہ انتقاد پہنچ گئی تھی اور اسے فساد کا مرکز
سمجھ لیا تھا۔ واذ قال ربك للملئكة اني جاعل في الارض خليفة قالوا
اتجعل فيها من يفسد فيها ويهلك الدماء۔

”جب کہا گیا قدرت کی طرف سے کہ میں زمین میں ایک مخلوق پیدا کرنے والا ہوں
جو میری خلافت کے فرض کو انجام دے تو ملائکہ نے کہا کہ کیا ایسا مخلوق مقرر کیا جائیگا
جو اس زمین میں فساد پیدا کرے اور غول ریزیاں کرے۔“

بے شک یہ فطرت انسانی کا تا ایک پہلو ہے اور اسی کا دشمن پہلو وہ ہے جو
ان فسادات کو روکنے کا باعث ہوتا ہے جسے خدا نے انی اعلم ولا تعلمون
کے مبہم الفاظ میں مضمر رکھا۔

ان دونوں متضاد پہلوؤں کا نتیجہ ہے کہ کبھی انسان اس پہلو کی طرف
بھٹک جاتا ہے اور فساد بن جاتا ہے اور کبھی اس پہلو کی طرف تو مصالح بن جاتا ہے
اسلئے یہ انسان دنیا میں شیطان کا مجسمہ بھی ثابت ہوتا ہے اور رحمن کا نائندہ بھی
قرار پاتا ہے یہ انسان عالم میں گمراہ کن ہوتا ہے اور یہی انسان دنیا میں مجسمہ
ہر ایت بھی۔

طاقت ہو یہ علمائے مذہب کا طبقہ ہے اور دوسرے وہ جس کے پاس سلطنت کی طاقت ہو یہ سلاطین و ملوک ہیں۔

یقیناً اصلاح عالم کی یہ سب سے بڑی دو طاقتیں ہیں۔ اسکے بعد دوسرے جزوی اسباب ہیں جو ایک انسان کی بات کو قابل پذیرائی بناتے ہیں جیسے خوش بیان مقررین، خوش تحریر انشا پرداز، خوش فکر شعرا وغیرہ لیکن یہ جیسا کہ ہم نے پہلے کہا اکثر پہلی دو قسم کی طاقتوں کے زیر اثر کام کرتے ہیں اور ان کا اثر بھی جزئی حیثیت رکھتا ہے کلی و نوعی نہیں ہوتا اور نہ زیادہ دیر پا۔

علمائے مذہب کی مصلحانہ حیثیت

پہلا طبقہ علمائے مذہب کا، اگر حقیقت میں نیا کو مذہب کی ضرورت ہے تو علمائے مذہب کی بھی ضرورت ہے کیونکہ یہ عالم کے نظام کے خلاف کچھ کر دنیا میں ہر شخص ہر چیز کا ماہر ہو سکے جس طرح ہر چیز کے لئے ایک مخصوص طبقہ ہوتا ہے اور ایک مخصوص جماعت تقسیم عمل کے اصول کے مطابق کوئی ایک طبقہ دکلا اکا ہوگا۔ ایک طبقہ اطبا اکا۔ اور اسی طرح تمام ضروریات انسانی کے لحاظ سے تجار اور معمار وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح ایک طبقہ علمائے مذہب کا بھی ہوگا اور یہ بھی دنیا کے اصول پر مبنی ہو کوئی نئی چیز نہیں کہ ہر شعبہ میں رجوع ہونا چاہیے اسی طبقہ کی طرف جو اُس شعبہ کا ماہر ہو یعنی جس کوئی صند و تچہ بنوانا ہو تو ہم جانتے ہیں تجار کے پاس۔ ہم کو کسی مقدمہ کی پیروی کرنا ہو تو

صلاح اور فساد کی ذمہ داری و تقویٰ کی تشریح

میں نے اقسام فساد کے ذیل میں اجالا ان اشخاص اور جماعتوں کا ذکر کیا ہے جو صلاح و فساد کی ذمہ دار قرار پاتی ہیں۔

بات یہ ہو کہ صلاح اور فساد انسان کا جب تک متعدی شکل اختیار نہ کرے مصلح یا مفسد ہو نہ سکا۔ امکان پیدا نہیں ہوتا۔ اور اس اثر کے متعدی ہونے کے لئے یعنی دوسرے اشخاص کو اشخاص کی تعلیم پر عمل پیرا ہونے یا اس کے افعال کی پیروی کرنے کا کوئی خاص سبب ہونا چاہیے۔ درہ ظاہر ہے کہ ہر انسان بجائے خود دوسرے انسانوں پر اثر انداز نہیں ہو سکتا اور یہ سبب صرف یہی ہے کہ اس انسان کو کوئی ایسا تفوق ہو دوسرے افراد پر جو ان کو اس کی بات ماننے پر آمادہ کرے یا اس کی سی طرح کی جاذبیت پائی جائے کہ لوگوں کو اپنا کردیدہ بنا سکے۔

جب یہ ہو گا تب ہی یہ انسان دوسرے اشخاص پر اثر انداز ہو سکتا ہے! باگر وہ نیک نیت ہو اور بجائے خود صالح ہے تو وہ مصلح بنے گا اور اگر بد نیت ہو تو مفسد اس کا لازمہ یہ ہے کہ جو طبقہ دنیا میں بہترین مصلح کر سکتا ہے وہ ہی بدترین افساد بھی کر سکتا ہو اور جو عالم کی تعمیر کر سکتا ہے وہ ہی انہما درجہ تخریب بھی کر سکتا ہے۔

اب طبقہ جو دنیا میں مصلح کے ذمہ دار ہیں اور حقیقتہً ان کے ذریعہ سے دنیا میں مصلح ہوتی ہے اور جو کتنی بڑی وہ طبقہ ہیں۔ ایک وہ طبقہ جس کے پاس مذہب کی

تو ان کو جمع کرنا بھی علمائے مذہب کی طرف ضروری ہوگا۔

اب اگر فرض کیا جائے کہ کوئی خاص شخص مدعی ہے کہ میں خود احکام شرع کو سمجھ سکتا ہوں اور اے قائم کر سکتا ہوں تو وہ اپنے اس دعوے کے لحاظ سے میرے موضوع بحث ہی سے خارج ہوگا کیونکہ میں تو ان لوگوں کو کہہ رہا ہوں جو واقف ہیں اور خود علمائے قائم نہیں کر سکتے انہیں بہر حال ضروری ہو کر دریافت کریں ان لوگوں سے جو خود سمجھ سکتے ہیں اور اے قائم کر سکتے ہیں اس پہلی قسم کے لوگوں کا نام ہے مقلدین اور دوسری جماعت کا نام ہے مجتہدین۔

تقلید ہرگز بیری مریدی نہیں ہے۔ نہ وہ حلقہ بیعت ہے۔ نہ وہ خط غلامی ہے بلکہ وہ دوسری چیز جو دنیا کے ہر شعبہ میں کار فرما ہے اور جس سے نظام زندگی میں گریز و گریز نہیں ہی جماعت اصلاح خلق کی ذمہ دار ہے۔ اور غیر ممکن ہے کہ علمائے مذہب اپنے حقیقی علوم کے اعتبار سے کبھی فساد پیدا کریں۔ مگر جس طرح مذہب کے بارے میں میں نے کہا تھا کہ ایک بڑا بڑا حقیقی مذہب ہمیشہ اصلاح خلق کا سبب ہوتا ہے اور دوسری بات اور ملیع کار مذہب کی صورت ہوتی ہے۔ یہ فساد کا ذریعہ ہوتی ہے۔

اسی طرح علمائے مذہب میں جو ہوتے ہیں حامل حقیقت مذہب کے وہ اصلاح ہی کرتے ہیں۔ فساد کبھی نہیں پیدا کرتے ہیں اور جو اس ناشکی شکل اور ملیع کا صورت کے حامل ہوتے ہیں وہ بے پناہ فساد کا ذریعہ قرار پاتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ جو سب سے زیادہ قوی ترین ذریعہ اصلاح کا ہے جب فساد کی طاقت

ہم جلتے میں کدیل کے پاس کسی مریض کا علاج کرا تا ہوتا جاتے ہیں حکیم۔ ڈاکٹر کے پاس
یونہی زندگی کے ہر شعبہ میں جو اس شعبہ نامہ واقف ہو گا وہ رجوع کرے گا۔ اس کے واقف کا
کی طرف۔ ایک طبیعے نسخہ لکھا تو آپ یہ نہ پوچھئے گا کہ یہ دوا کیوں دی لو وہ دوا
کیوں ایک انجینیر نے نقشہ مرتب کیا تو یہ ضرور یافت کیجئے گا کہ یہ چیز اس طرح کیوں اور
وہ اس طرح کیوں۔ اس لئے کہ یہ تو ایک چیز ہے نظام کے مطابق کہ جب ایک انسان واقف
ہو اور اپنی نامہ واقفیت کا احساس بھی رکھتا ہو اور دوسرا واقف ہو تو وہ اس کے سامنے
تسلیم خم کر دیتا ہے یہ نامہ واقف اور واقفکار کی تفریق دنیا کے ہر شعبہ میں مقرر ہو رہی۔
یہ اور بات ہو کہ جو شعبہ بحیثیت اہمیت اور بحیثیت ضرورت بلند ہو اس کے
جاننے والوں کو عزت زیادہ حاصل ہو اور جو شعبہ لمحاظ اہمیت و ضرورت آپ کی
نظر میں کم ہے اس کے جاننے والوں کے لئے خصوصیت کم حاصل ہے لیکن بحیثیت
واقف نامہ واقف ہر شعبہ میں دو طبقے قائم رہتے ہیں۔

اگر مذہب کی ضرورت ہے تو ضرور ایک طبقہ ایسا ہو گا جو مذہب کے احکام سے
واقف ہو اور باقی لوگ اس سے نامہ واقف ہوں گے اور اس صورت میں ان نامہ واقف
افراد کو اس واقفکار جماعت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوگی۔

بیشک اگر ہر شخص اتنی قابلیت حاصل کر لے کہ وہ مذہب کے احکام کو خود سمجھ سکے
تو ہر شخص کو حق ہو گا کہ وہ اسے قائم کرے لیکن جبکہ دنیا کا نظام اس کی نظیر پیش
کرنے سے قاصر ہو اور ضرور کچھ لوگ ایسے ہوں گے کہ جو احکام کے سمجھنے سے قاصر ہیں

انہ صرف اعضا و جوارح میں تبدیلی ہوتی۔ نہ صرف لباس وضع قطع میں تغیر ہوگا بلکہ اسکی اصلی روح تبدیل ہو جائے گی اور پھر تمام کالبد بشری اپنی اس صورت پر قائم نہیں رہے گا۔

بادشاہ کے احکام چونکہ ادنی طاقت پر مبنی ہیں اسلئے ان کا اثر اُسی وقت تک رہتا ہے جب تک کہ سلطنت قائم ہے لیکن جب بادشاہ تخت سلطنت سے اترا یا مر گیا بس اب نیا بدل گئی۔ اب جو نیا بادشاہ ہوگا اسکے احکام پر دنیا عمل پیرا ہوگی لیکن روحانی اثرات اور مذہبی خیالات جو غلط رہنمائی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں ان سے دماغ و عقل میں تبدیلی ہو جاتی ہے اسلئے وہ اتنے دیر پا ہوتے ہیں کہ چاہے وہ دہندہ دنیا سے چلا جائے لیکن دنیا اس کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن رہتی ہے۔ اس لئے یہ چیز سب سے زیادہ خطرناک اور سب سے زیادہ موجب گمراہی خلق ہے۔

وہ یہود کے عالم ہی تھے جنہوں نے فتویٰ دیا کہ مسیح کو سولی پر چڑھا دیا جائے اور اسی طرح ہرزہ مانہ میں جو فسادات برپا ہوئے ان میں۔ منع کار علما و فسادات کے ذمہ دار قرار پاتے رہے۔

اسی لئے وہ افراد جو حقیقی مذہب کے علمبردار تھے انہوں نے ہمیشہ دنیا کو لگاؤ نہ کرنا جو فروش، اشخاص کے فریب سے خبردار کیا۔ اور بتلایا کہ تم ان سے دھوکا نہ کھانا اور سمجھنے کی کوشش نہ کرتے رہنا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ کون کھرا ہے اور کون کھوٹا۔ کون حقیقت کا سالک ہے اور کون مجاز کو حقیقت کے لباس میں پیش کر رہا ہے

اُس ذریعہ کا جس میں بڑی نعمتی اُس پردہ کو اپنے اوپر ڈال لے گی تو وہ قوی ترین ذریعہ فساد کا قرار پاجائے گی۔

مثلاً چاندی اور سونا چاندی کم قیمت کی چیز اور سونا زیادہ قیمت کی چیز ہے تو اب چاندی کا بیع ہو تو وہ زیادہ فریب دہ ہو گا یا سونے کا بیع اگرچہ طعنا دیا جائے تو وہ زیادہ فریب دہ ہو گا۔

جس چیز کی واقعیت زیادہ پر اہمیت اور بیش قیمت ہوگی اسی کی نقلی صورت زیادہ گمراہ کن اور مضرت ساں ہوگی اور جس چیز کی اصل کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی اُس کی جھولی شکل کوئی خاص ضرر رساں نہوگی۔

یہ حقیقت مذہب کی انتہائی مصلحانہ طاقت ہے کہ اُس کا نام انتہائی ذریعہ فساد کا بن سکتا ہے اور یہ علمائے مذہب کی انتہائی مصلحانہ عظمت ہے کہ اُن کی نقل اختیار کرنے والے صحابہ یا ذریعہ فساد بن سکتے ہیں۔

اسی بنا پر یہ کہا گیا کہ اذا فسد العالم فسد العالم حقیقت نہو مجاز ہو۔

آب نہو سراب ہو، غیر عالم بنجائے۔ اسیکہ اخلاق فاسد و خراب ہوں تو عالم میں فساد پیدا ہو جائیگا کیونکہ جتنے دوسرے فسادات ہوتے ہیں اُن کا تعلق زندگی کے کسی ایک شعبہ کے ساتھ ہوتا ہے مثلاً معاشرت کے ساتھ یا سکنے کے ساتھ اخلاق کے ساتھ لیکن مذہب کی وہ طاقت ہے جو دنیا کے تمام شعبوں میں کار فرما ہوتی ہے اس لئے اگر اکیلے انسان مذہبی فساد میں مبتلا ہو جائے تو نہ صرف اُس کی شکل و مثال بگڑے گی

جمع میں بھیگ کر بڑی نیریاں دکھلاتا ہے۔ فتنہ و خساد کی تاریکیوں میں خوب ڈرتا ہوا۔
 صالح و روادار ہی میں جو برکات ہیں ان سے اندھا بنا ہوا ہے۔ انسان نا جانوں
 یعنی ہم ہمارا انسانوں نے اس کا نام عالم رکھ لیا ہے حالانکہ وہ عالم نہیں ہے۔
 بلکہ فاسک و من جمع مائل منہ خیر خالک و "اٹھادہ اور جمع کیا
 اس نے ایسے معلومات کے ذخیرہ کیا کہ اگر وہ ذخیرہ کم ہوتا تو اس کثرت سے بہتر تھا۔
 کیونکہ وہ باتیں وہ ہیں جو خلق خدا کے حقیقی علوم و معارف کو مرد کرتی ہیں اور ان کی
 عقلی حیثیت تباہ کن ہیں۔

حتی اذا امرتونی من احسن واکت من غیظ اهل جلس بین الناس
 قاضیا ضامنا للتخلص المتب علی غیہ۔

"یہاں تک کہ جب اس پر بودار پانی سے سیراب ہو چکا یعنی بخیال خود فارغ ^{الطیصل}
 ہوا اور وہ بیود خزانہ جمع کر چکا تو بیٹھ گیا لوگوں کے درمیان قاضی بن کر ان مسوئ
 حل کی ضمانت کر کے جو دوسروں پر شائبہ ہو گئے ہیں۔

فان نزلت بہ لحدی لم یتم اھا یا لھا حشوا را ثامن رأیہ ثم قطع بہ فھو
 من لبس البشعات فی مثل سنج العنکوت۔

"اگر اس کے سامنے کوئی مشکل مسئلہ ارد ہو جاتا ہے تو اس کے لئے سو بیج سانج کر
 ایک بھرتی کی فرمودہ رائے اپنی ہتھکڑیاں ہر پیر اسی کے مطابق یقین کر لیتا ہے یعنی
 وہ شہادت اور ادا م کو خود ہی اپنے گرد لاتا ہے اور خود کہیں جاتا ہے جیسے

اسیر المؤمنین علی بن ابی طالبؑ نے اس جبر کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور تصویر
کھینچ کر دکھا دیا ہے کہ کبھی کسی سے مرعوب ہونا بلکہ خود کرنا کہ حقیقت کیا کر فرماتے ہیں
ان البطل للخلأق الی اللہ جل جلالہ رجل وکلہ اللہ الی نفسہ فہو جائز
من قصدہ السبیل مشغون بکلام عجمود عا عضل الہ فو فتنہ لمن افتن
بہضال عن مدی عن کان قبلہ مضل من اقتدی بہ فی حیوہ وبعد فنامہ حال
خطایا عیدہ رہن بخلیغہ۔

تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خدا کے نزدیک منجوس اللہ ہے دو قسم کے شخص
ہیں ایک جس سے خدا نے توفیق کو سلب کر لیا ہے اور اُس کے گناہ اتنے بڑھے کہ
اُس کو اُس کے حال پر چھوڑ دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ راست سے منحرف ہے
بہت کی باتوں اور گمراہی کی دعوت پر جان دے ہوئے ہے۔ وہ ایک بڑی آزمائش
ہے اُن لوگوں کے لئے جو اُس کے پائے پر ہیں۔ وہ بھٹکا ہوا ہے طریقہ کار سے اُن لوگوں
کے جو اُس کے پہلے تھے اور گمراہ کرنے والا ہے اُن لوگوں کا جو اُس کی پیروی کریں
اُس کی زندگی میں اور اُس کے مرنے کے بعد وہ دوسرے کے گناہوں کا برداشت
کرنے والا ہے اور خود اپنے گناہوں میں گر ہو گیا ہے۔

ورجل قش جملہ موضع فی جہال الامت عادی غیاش لفتنہ عجمانی
عقد الہنہ قد سماہ اشباہ الناس عالم اولیس بہ۔

دو پیر انسان وہ جس نے ہر حالت کی باتوں کا ایک فی خیر جمع کیا وہ جاہلوں

لا یحب العلم فی شیء مما انکاره ولا یرى ان من وراء ما یبلغ مذهباً
لغیبه "۲" اتنا تنگ نظر ہے کہ جس شے سے وہ چھپی ہو اس کے لئے علم کے وجود کا
تخیل ہی ذہن میں نہیں لاتا یعنی یہ سوچتا ہی نہیں کہ کوئی دوسرا اس سے واقف
ہو گا اور وہ نہیں سمجھتا کہ جہاں تک پہنچا ہے اُسکے آگے بھی دوسرے شخص کے لئے
راہ موجود ہے۔"

وان اظلم امر اکتتم بہما یعلم من جمل نفسه -
"اگر کوئی مسئلہ اتنا گھٹک ہو کہ اُس کی سمجھ ہی میں نہیں آتا تو وہ سامنے ہی سے
غائب ہو جاتا ہے چونکہ جانتا ہے کہ میرا مبلغ علم اس کے حل سے قاصر ہے۔"
تصریح من جور قضائہ الذمّاء و قبح منہ الموارث -
ناحق خزن اُس کے غلط فیصلوں کے فریادی ہیں اور میراثیں جو غیر مستحق لوگوں کے
ہو بیچ گئی ہیں وہ اُسکے ہاتھوں بیچ رہی ہیں۔"

الی اللہ اشکو من معشر یعیثون جھالا و یموتون ضالاً لا۔ "خدا ہی سے
شکوہ کرتا ہوں میں اس جماعت کا جو بہالت کی حالت میں زندگی گزارتی ہو اور
مگر اہی کے عالم میں دنیا کو خیر باد کہہ دیتی ہے۔"

لیس فہم سلعة اور من الکتاب اذا تلی حق تلاوتہ ولا سلعة انفق بیعاً
الا اعلیٰ ثمناً من الکتاب اذا حرق عن مواضعہ -

ان کے حلقہ میں قرآن سے بڑھ کر کوئی بے قیمت چیز نہیں ہے اس وقت جب

کڑی خود ہی اپنے گرد جال لگاتی ہے اور خود ہی گرفتار ہو جاتی ہے۔“
 لایدری اصاب امی اخطا فان اصاب خاف ان یکون قد اخطا وان
 اخطا رجاء ان یکون قد اصاب -

”اُسے نہیں خبر کہ جو میں کہہ رہا ہوں ٹھیک ہے یا غلط اگر ٹھیک بھی ہو تو اُسے
 اندیشہ لگا ہوا ہے کہ کہیں غلط نہ ہو اور غلط بھی ہو تو اُسے امید بندھی ہو کہ شاید صحیح ہی ہو۔“
 جاہل خطاب حجالات عاشق سرا کاب عشوات
 ”وہ جاہل ہے اور ہمالیہ کی تار کیوں میں ہاتھ پاؤں مارنے والا ہے اندھا
 ہے اور اندھے پن کی باتوں کا مترتب ہے۔“

لم یعین علی لعلم بعضہن قاطع ”اُس نے علم کو مضبوطی اور استحکام کے ساتھ
 حاصل نہیں کیا اور اُس میں نقد و تبصرہ اور جانچ پڑتال سے کام لیا۔“

یذری تواریات اذ ساء الویج المہشیم جاہلوں کے مجمع میں مھو کاٹنے
 کے لئے حدیثیں تیزی کے ساتھ بیان کرتا چلا جاتا ہے اُس کو اس سے مطلب نہیں کہ
 ان احادیث میں کوئی تناسب ہو اور کوئی ترتیب بلکہ وہ رعایتوں کو اس طرح پھیلاتا
 رہتا ہے جس طرح ہوا خشک گھاس کو۔“

لامی والله باصدار مادح علیہ دلاہواہل لما فوض الیہ ”نزدہ
 ان شکلوں کے حل کرنے کی قدرت لکھا ہو جو مختلف مسائل میں اُس کے سامنے پیش
 ہوتی رہتی ہیں اور زندہ اہل ہر اس منصب کا جو اُس کے مشق کیا گیا ہے۔“

اور شرارت کا اظہار ہے اور وہ روپا دہ فوج کی قیادت ہے۔ اس نے اپنے نفس کو تلا ہوا
 رکھا ہر مفہمہ انگیزی پر اور اپنے دین و ایمان کو بالکل ہلاک کر دیا ہے تھوڑے سے
 مال دنیا کے لئے جسے موقع پا کر ڈالے یا کسی فوج کا سردار بن جائے یا مشیر بر بلند ہونا
 نصیب ہو جائے۔ یقیناً کتنی بری تجارت ہے کہ تم دنیا کو اپنے نفس کی قیمت سمجھ لو
 اور ثواب خداوندی کا عوض قرار دے لو۔"

وَمَنْ يَطْلُبْ لِدُنْيَا يَعْلُ الْآخِرَةَ وَلَا يَطْلُبْ الْآخِرَةَ يَعْلُ الدُّنْيَا وَمَنْ يَطْلُبْ
 مَنْ شَخْصَهُ وَقَادَرِ مِنْ خُطُوهُ وَشَمَرِ مَنْ تَوَمَّرَ وَزَخَرَفَ مِنْ نَفْسِهِ لِلْأَمَانَةِ وَتَقَدَّرَ
 سَوَ اللَّهِ خَدِيعَةً إِلَى الْمَعْصِيَةِ -

”اور کچھ لوگ وہ ہیں جو دنیا حاصل کرتے ہیں آخرت کے اعمال سے یعنی نافرمانی و غرض
 حج و زیارت اور دیگر عبادات میں جو خالص مذہبی کام ہیں۔ دنیا طلبی کو دنیا مقصد
 قرار دے لیتے ہیں اور یہ نہیں کرتے کہ دنیا کے کاموں میں آخرت کو پیش نگاہ رکھیں
 انھوں نے اپنی صورت کو سکون و وقار کا مجسمہ بنا لیا ہے اور چھوٹے چھوٹے قسم دے
 ہیں اور دامنوں کو گردانے ہوئے ہیں اپنے نفس کو بناوٹ کے ساتھ آراستہ کر کے پیش
 کرتے ہیں کہ لوگوں پر اعتبار کرنے لگیں اور ان کی امانت داری کا یقین کر لیں اور وہ
 سارا عیوب و خبا کے ڈالے ہوئے پرند کو ذریعہ قرار دیتے ہیں یہی کی نافرمانی کا ہے۔“

وَمَنْ يَطْلُبُ الْمَالِ عَلَى حَالِهِ فَتَحْلِيَ بِاسْمِ الْقِنَاعَةِ وَتَزِينُ بِلِبَاسِ أَهْلِ الزَّهَادَةِ وَلَيْسَ

نہیں ہر جگہ اسکی آیتوں کو بجا صرف کیا جائے یعنی ان کے مطلب کے موافق اسکی
تاویلیں کر دی جائیں۔

ایک دوسرے مقام پر حضرت نے ان اشخاص کی تفصیل کی جو جن کے دلوں میں کم
دشمن فساد پیدا کرنے کے جذبات موجود ہوتے ہیں لیکن بعض کو مواقع حاصل ہوتے ہیں
اور بعض کو نہیں حاصل ہوتے۔ فرماتے ہیں۔

الناس علیٰ مرتبتا صنف منہم من لا یمنعہم الفساد الا عما تہ نفسہ
وکلالة حدة ونضیض وفتح۔

”دنیا میں لوگوں کی چار قسمیں ہیں بعض وہ ہیں جن کو فساد سے کوئی مانع نہیں
ہو سکا اسکے کہ ان کا نفس حقیر اور باڑھ کند اور مال کم ہے یعنی نہ عزت و وجاہت ہی
حاصل ہو کہ لوگ ان کی طرف متوجہ ہوں اور نہ کوئی جو ہر ذاتی اور کمال صفت ہی موجود ہو
کہ اس جو ہر سے دنیا کو روک دینا اور مال و دولت ہی ہو کہ اس ذریعہ سے لوگوں کو
اپنے راستے پر لائیں۔“

وہم المصلت لسیف والمعلن بشرہ والمجلب بغیلہ ورجلہ قد
اشتر نفسه وادبہ دینہ لحطام یتھزہ او مقشب یقودہ او منہ یفرعہ
ولیس المتجران قوی لدنیا النفس ثمنہا و حالک عند اللہ عوضا۔

”اور کچھ لوگ وہ ہیں جن کے پاس سامان موجود ہو۔ ہاتھ میں کھنٹی ہوئی تلوار ہو۔“

من ذلک فی مراح وکامغدی۔

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو دنیا طلب اپنے رجاہ پرست ہیں اور سلطنت مہمانبانی کا انتہائی شوق رکھتے ہیں مگر بے دست و پائی اور بے سر و سامانی اس مقصد میں انکی سدرہ ہر اہ ان کو انکی موجودہ حالت کا پابند بنائے ہوئے ہیں اس لئے وہ قناعت کے ساتھ نامزد ہو گئے ہیں اور زاہر دل کے لباس سے آراستہ ہو گئے ہیں یعنی اسکا مظاہرہ کرتے ہیں کہ بھوکہ دنیا کی مزدورت ہی نہیں اور دنیا چاری لگا ہوں میں حقیر ہے حالانکہ ان کو قناعت و زہد سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

دینی رجال غفل بصادھم ذکر المرجع والافاق و معہم خوف المحشر فھم بین شربید ناد و خائف مقموع و ساکت مکعوم و طاع مخلص و کلان معصع
 » اس کے بعد تھوڑے لوگ رہ جاتے ہیں جنھیں آخمت کی یاد دنیاوی اغراض سے کنارہ کش بنائے ہوئے ہیں اور جنھیں وہاں کا دھڑکا ہر وقت لگا رہتا ہے۔ انکو انبائے زمانہ کے ہاتھوں مصیبتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں کسی کو ترک وطن کرنا پڑتا ہے۔ کسی کو جان کا خطرہ لگا رہتا ہے کسی کی زباں بندی ہوتی ہے کوئی غلوں کے ساتھ صحیح راستے کی طرف دعوت دیتا ہے اور کسی کو تکالیف و الکام میں زندگی گزارنا پڑتی ہے بیشک یہ مخلص جماعت کم ہوتی ہے۔ اس کی آواز سنی نہیں جاتی۔ اسے شور و شغب کی عادت نہیں ہوتی۔ اسے عوام کی جذب کرنے والی ترکیبیں نہیں آتیں۔ وہ گھبراہٹ گیر ہوتی ہے اور عزالت پسندی اس کا شعار ہوتی ہے لیکن افراد کا پر کھنا۔ انکے

عوام یہود اس بابے میں بالکل ہمارے عوام کے مثل نہیں ہیں کہ یہ بھی اپنے علماء کی لڑتے
رجوع کرتے ہیں۔ پھر اگر ان کے لئے ان علماء کی پیروی درست نہ تھی تو ان کے لئے بھی
ان علماء کی پیروی صحیح نہ تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک حیثیت سے تو یہود کے عوام
اور ہمارے عوام برابر ہیں لیکن ایک حیثیت سے فرق ہے۔ سائل نے فرق کی وجہ دریافت
کی تو حضرت نے فرمایا کہ یہود کے عوام اپنے علماء کی نسبت یہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے
ہیں، مال حرام کھاتے اور رشوت لیتے اور احکام خدا کو سفارشوں کی وجہ سے
بدلتے ہیں۔ بجا جانبداریوں سے کام لے کر خدا و دل کے حقوق کو تلف کرتے اور
غیر مستحق لوگوں کو ناحق دوسروں کے اموال کا مالک بنا دیتے ہیں۔

اگر ہمارے عوام بھی اپنے علماء کے متعلق یہ سمجھ لیں کہ وہ فسق و فجور میں مبتلا ہیں
جانبداری اور خود غرضی سے کام لیتے ہیں اور دنیا کے اموال پر اس طرح آپس میں
لڑتے ہیں جیسے کتے ڈڑیوں پر اور یہ کہ وہ جس کے خلاف ہوتے ہیں وہ کتنا ہی خدا
کیوں نہ ہو مگر اس کے حقوق کو ضائع کرتے ہیں اور جس کے طرفدار ہوتے ہیں
وہ کتنا ہی حقیر کا تختی کیوں نہ ہو مگر اس کے ساتھ حسن سلوک سے کام لیتے ہیں تو جو
شخص ہمارے عوام میں سے ایسے فقہاء کی تقلید کرے وہ انہی یہود نصاریٰ کے
مثل ہے جنکی خداوند عالم نے مذمت کی ہے۔ لیکن جو شخص فقہار میں سے اپنے نفس کی
حفاظت کرنا والا ہو اپنے دین کی نگہداری کرنے والا ہو۔ اپنے خواہش نفس کی مخالفت
کرتا ہو اور اپنے خدا کے حکم کا مطیع ہو تو عوام کو درست ہے کہ ایسے شخص کی تقلید کریں

اسی طرح مسائل مذہبی میں ایک شخص کے علم کو سمجھ لیجئے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ ہمالت دلائی کی وجہ سے ہوگا مگر اسی میں مبتلا نہ کر گیا اور عمل کو پرکھ لیجئے کہ یہ جان بوجھ کر ہوگا مگر اگر نہ کر گیا یعنی یہ سمجھنے کے باوجود کہ خلاف شرع ہے ہوگا صرف خود غرضی اور بدعتی کی بنا پر غلط تعلیم نہ دیگا۔ جب یہ دونوں باتیں پورے طریقہ پر پائے ثبوت کو پہنچ جائیں تو اب کوئی وجہ نہیں کہ آپ بات بات میں سنگی گرفت کیجئے۔ ہوگا اعتراضات کا آماجگاہ بنائے اور نکتہ جینیوں کا مرکز قرار دیجئے۔

بیشک شروع میں بڑی چھان بین کیجئے سمجھ لیجئے کہ کون ہمارے لئے مصالح ہے اور کون مفسد۔ اندمی تقلید نہ کیجئے یعنی کسی انسان کو بے سمجھے بوجھے کہ اس کے خصوصیات کیا ہیں وہ ہمارے لئے مفید ہے یا مضر اپنا پیشوا نہ بنالیجئے۔

ہو اس کے بغیر پڑنا، سیلا کے ہاؤ میں بہہ جانا یہ اندمی تقلید ہے۔ اس کو اسلام نے رد کیا ہے۔ تقلید کر دو یہ سمجھ کر کہ جس پر ہم اپنے عمل کی ذمہ داری عائد کر رہے ہیں یہ درحقیقت اس قابل ہے کہ ان ذمہ داریوں کو پورا کر سکے۔

طبری کی روایت میں ہے اس آیت کی تفسیر میں کہ ومنہم امتیون لایعلمون المکتاب الامانی فانہم لایظنون جس میں یہودیوں کی مذمت کی گئی ہے بات پر کہ وہ بے سمجھے بوجھے دوسروں کے کہنے پر چلتے ہیں کسی نے امام جعفر صادق سے دریافت کیا کہ جب یہود و نصاریٰ کو ادا حقیت کی وجہ سے اپنی کتاب کے علم کا ذریعہ صرف یہ ہو کہ وہ اپنے علماء سے دریافت کریں تو پھر خدا نے انکی مذمت کس لئے کی ہے؟ کیا

اخلاق و مذہب سے گھرے ہوئے ہیں تو بھی اُن کا ضمیر اُن امور کے ناگوار ہونے کا احساس کرتا رہے گا۔ اور اس لئے ادھر سلطنت کی مٹھی دھیلی ہوئی اور ادھر اُن کے اصلی حیات و معتقدات پوری قوت کے ساتھ سیلابی شکل سے ابل پڑے اور حالات میں انقلاب ہو گیا یعنی وہ فساد صلاح سے بدل گیا۔

مجھے موقع نہیں ہے کہ میں تشریح کے ساتھ کسی چیز کو اب بیان کر سکوں مگر میں حوالہ دیتا ہوں کہ سلطنت عباسیہ کے متشدد سلاطین کے سوڈیٹھ سو برس کے طویلانی دور میں سلطنت کے انتہائی جبروت و سطوت کے باوجود مذہب جعفری دنیا میں کیونکر باقی رہ گیا، ملاحظہ کیجئے دس بیس چالیس برس کی مدت نہیں صدیوں کا زمانہ اس میں سلطنت کی پوری طاقت ایک مسلک کے فنا کرنے میں صرف ہو لیکن پھر بھی وہ مذہب دنیا میں باقی رہے۔ اُس کے تعلیمات مدون ہوں اور اسکے احکام و مسائل محفوظ رہیں یہ صرف اُن علمائے مذہب کی اُن دبرانہ اصلاحوں کا نتیجہ تھا جو بغیر دنیا پر فتنہ پردازی کئے ہوئے بغیر فساد برپا کئے ہوئے، بغیر بغاوت کئے ہوئے، بغیر انقلاب پیدا کئے ہوئے، بغیر تخت سلطنت کو الٹے ہوئے، صرف خاموشی کے ساتھ اصلاح میں مصروف تھے۔ یعنی یہ تاریخ میں مصلحانہ حیثیت کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ سلطنت کے مقابلہ میں علماء کی اصلاحی جدوجہد کی کامیابی کا بہترین نمونہ ہے۔

ہاں بے شک شرط یہی ہے کہ علماء مخلص علماء ہوں اور اگر علماء خود ہو کہ تاریخ پر

اور ایسے لوگ فتنائے شیعہ میں سے بعض افراد ہوتے ہیں۔ رہنمائی ہوتے ۛ
یاد رکھئے یہ مذہب نہیں ہر جس نے آنکھوں پر پردہ ڈالا ہو جس نے قوتِ عمل
و فکر کو سلب کیا ہو جس نے دماغ اور ذہن کو معطل کیا ہو بلکہ اُس نے قیود بیان کئے
ہیں شرائط عائد کئے ہیں نقد و تبصرہ کا احساس پیدا کیا ہے۔ اہل نظر کو دعوت دی ہے
کہ وہ سمجھ کر دیکھ کر کہ کون مصلح بن سکتا ہے اور کون مفسد کی شخص کی پیروی پر آمادہ
ہوں اور اسکی آواز پر لبیک کہیں۔

جو حقیقی علمائے مذہب تھے وہ ہمیشہ مصلحِ عالم کے ذمہ دار رہے۔ حقیقت وہ
دوسری چیز جو فساد کی باعث بن سکتی ہے سلطنت کی طاقت، اس سے جو فساد دنیا میں
پیدا ہوتا ہے اُس کا مقابلہ کرتا ہے تو علماء مذہب کی صلاحی طاقت جبکہ
وہ مذہب کی صحیح خدمت انجام دیتے ہیں۔

باوجودیکہ بہت ممکن ہے علماء کسی وقت میں بے دست و پا ہوں اور مادی
طاقتوں سے وہ حکومت کا مقابلہ نہ کر سکتے ہوں لیکن اگر وہ خود فساد کے رستے پر
نہیں جا رہے ہیں اور عالم کی بھی خواہی اور مذہبی رُوح کی صحیح زندگی اُن میں
موجود ہے تو وہ اُن تمام خرابیوں کے باوجود جو سلطنت کی فولادی گرفتِ معاشرتی
حیثیت پیدا ہو رہی ہیں اپنی خاموش ہدایتوں کے ساتھ قوم کی ذہنی عقلی
صلاحیتوں کی حفاظت کرتے رہینگے جس کی بنا پر اگر وہ سب جو ظلم موجودہ حالت میں
سلطنت کے اجراء کردہ قوانین کے ماتحت کچھ ایسے امور کو اختیار بھی کریں جو عیال

شریعت بھی تھا یکدم وہاں بھی پہنچا۔ اس موقع پر قبلہ و کعبہ سلطان العلماء سید محمد صاحب صنوانما کے یہ یادگار خط تحریر فرمایا۔ ذرا الفاظ دیکھئے گا سلطنت کے مقابلہ میں ایک مصلح مذہب کس طرح سے اپنے فرائض کو انجام دیتا ہے۔

”احکام شاهی بہ ارتکاب قص و منہای در حکمہ جات رسید احوال حاکم واجب الانقیاد جناب قریں آہی بہ اجتناب از قص و غنا ظاہری بآنگاہ ہی از جانب اعلیٰ بنا بر دولت خواہی برسانید و دستخط فقیر را بلاحظہ معلیٰ بگذرانید و در امر حق اندیشہ نمانید و ما علیٰ الرسول الا البلاغ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ اس طرح سے حکام اور سلاطین سے مرعوب نہیں رہے بلکہ اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ انھوں نے یہ احساس کیا کہ درحقیقت یہ وہ فرائض ہیں جن کے ذریعہ سے صلاح ملک و ملت ہوتی ہے۔

یہ غلط ہے کہ نظام سلطنت کے لئے علماء و مفتیان ثابت ہوئے۔ تاریخ اس کی گواہ ہے کہ ایران میں شاہ سلطان حسین صفوی کے سلطنت کی رونق جو علامہ مجلسی کے عہد میں تھی وہ انکی دفا کے بعد باقی نہیں رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان کے عدم تدبیر نے خود سلطنت ہی کی بنیادوں کو منہدم کر دیا۔

وہ چیزیں جن تک سلاطین کا داغ نہیں پہنچتا تھا وہ صرف مصلحین مذہب تھے جن کا داغ ان نکات تک پہنچ جاتا تھا اور انھوں نے وہ اصلاح کی جس سے سلطنت کو فائدہ حاصل ہوا اور دنیا نے اس کی گواہی دی کہ تدبیر کا اقتضا یہی تھا۔

اُڑنے والے، خود سلطنت کی طاقت سے مرعوب ہو جانے والے، خود سلاطین و ملوک کے دروازوں پر سجدے کر ڈالنے والے تھے تو وہ سلطنت کے مفہم نہ تھے۔ تدا سیر کا مقابلہ کیا کرینگے خود ہی جس رات پر سلطنت جا بگی اس راستہ پر چلے جائینگے۔

حقیقی علماء جو تھے وہ کبھی سلطنت سے مرعوب نہیں ہوئے تھے۔ مفاد عامہ کا ہمیشہ خیال رکھا یعنی سلطنت سے بزد و قوت نقصان مفاد عامہ کے خلاف سمجھا مگر احکام مذہبی کی تعین کو بھی ہمیشہ اپنا فریضہ خیال کیا۔

خفا کے صوبہ اودھ کی تاریخ میں ایسے واقعات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء نے کس طرح اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے میں سلطنت کی طاقت کا اثر نہیں لیا۔ اقبہ شریعہ کا وقت نہیں ہوا اور بہر حال مجھے بیان ختم کرنا ہے۔ جابر غفر انساب کا بھنگا کے متعلق موعظہ کا واقعہ۔ مجھے تفصیل سے اسے بیان نہیں کرنا ہے مشہور ہے۔ یہ کہہ دیا گیا تھا کہ مجلس وعظ میں بادشاہ آگئے ہیں اس لئے آج بھنگا کے متعلق کچھ بیان نہ ہو۔ فرمایا آج ہی تو اسکا موقع ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سچ مصلیٰ آواز تھی اس لئے اس کا اثر بھی ہوا۔ لیکن میں جو چیز پیش کرنا چاہتا ہوں حقیقتہً تاریخ اودھ میں یادگار حیثیت رکھتی ہے۔

مولوی عبد الغنی کی تاریخ اودھ جلد ہیں۔ یہ واقعہ مذکور ہے کہ کسی شاہی محل کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور بادشاہ نے خوشی میں حکم دیا کہ کراہی دفتروں میں محفل قص و سرود قائم کی جائے۔ چونکہ دفاتر حکومت میں محکمہ مرا فعو و

گو بجی تھی کوئی جو اپنے والدین کو دنیا نے دیکھ لیا کہ اسی پر اس خاموش صدا
 نے ایک قہقہہ میں دنیا کو اپنی صدائے بازگشت سے معذور کر دیا۔ تلواروں کی جھجکاؤں
 باقی نہیں ہیں لیکن وہ لاکھ لاکھ الاٹھ کی آواز دنیا کے ہر ہر گوشہ میں ہر مسلمان کے کان
 میں پانچ وقت اس اعلان کے ساتھ آتی ہے جس سے شانِ توحید کا مظاہر ہو رہا ہے۔
 اسلام کو قائم کرنے والی وہی چیز تھی جس کا اثر پادشاہِ دار رہ گیا لیکن مسلمانوں
 کی غلط فہمی ہے کہ وہ اسلام کی روح جنگِ جہل ہی کو سمجھ لے ہیں اس لئے ہر موقع
 بے موقع جھگڑا جان دینے والے کو "شہید" اور جان لینے والے کو "غازی" کا خطاب
 دیتے ہیں۔ یہ ہرگز اسلام کی تعلیم نہیں ہے۔

حالاتِ حاضرہ

یا

دنیا کے موجودہ فسادات

دنیا میں ہمیشہ صلاح اور فساد کی طاقتیں برسرِ پیکار رہی ہیں اور مختلف
 طرح کے فسادات پیدا ہوتے رہے لیکن ماضی اب گزر چکا ہمارا اسکے ساتھ
 اب براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ دیکھنے کی یہ ضرورت ہے کہ اس وقت

ملاحظہ کیجئے یہ مرکز حکومت برطانیہ کی سلطنت تجارتی شریعت ہوتی ہے ہندوستان
 آج سمجھے معنی جب وہ پہلا قدم اٹھا تھا۔ تو ہندوستان میں کوئی نہیں سمجھا تھا اب
 جبکہ نتیجہ سامنے آگیا تب سمجھے کہ کوئی تجارتی سلطنت قائم ہوتی ہے۔ ایران میں
 ناصر الدین شاہ نے بھی اس کو نہیں سمجھا تھا جبکہ انھوں نے تمباکو کا معاہدہ سلطنت
 برطانیہ کے ساتھ کیا لیکن سرکار میرزا نے شیرازی وہ تھے جنھوں نے یہ اندازہ
 کر لیا کہ یہ معاہدہ تمباکو کا نہیں ہے بلکہ ملک ایران کا بیغنامہ ہے چنانچہ وہ سرکار
 میرزا ہی تھے جنھوں نے ایسے پر جبروت بادشاہ کے مقابلہ میں یہ فرمان نافذ
 کر دیا تھا کہ تمباکو پینا حرام ہے۔

اس حکم کا وہ اثر تھا کہ ایران میں انقلاب ہو گیا دوکانیں بند ہو گئیں قلیاں
 توڑ ڈالے گئے تمباکو کی قلم مٹروک ہوئی جس کا اثر تھا کہ ناصر الدین شاہ نے مجبور ہو کر
 ٹھیکہ منسوخ کیا وہ الفاظ تھے جبکہ یہ نتیجہ تھا درنہ آج ایران اسی طرح غلام ہوتا
 جس طرح ہندوستان غلام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ علماء مذہب اگر حقیقی معنوں میں عالم مذہب ہیں تو وہ عالم کی
 ایسی اصلاح کر سکتے ہیں کہ دنیا میں کوئی مصلحت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہرگز عالم
 وہ نہیں ہے جو دنیا میں فساد پیدا کرے۔ منہ کا منہ برپا کرے اسلام تعلیم دینے کے لئے
 نہیں آیا ہے کہ خواہ مخواہ جنگ جہل برپا کر دے بلکہ وہ خاموشی کے ساتھ اصلاحی جدوجہد
 کا حامی ہے۔ قولو لا الہ الا اللہ تفلحوا کی وہ ایک ادارہ تھی جو ظلم و فساد

دیا جاتا ہے کہ مذہب فساد کا ذریعہ ہے۔ اس لئے مذہب مٹانے کے قابل ہے۔
 دنیا امن و امان اور سکون و اطمینان کی محتاج ہے اور مذہب اس سکون و اطمینان
 کا دشمن ہے۔ مذہب جھگڑے کراتا ہے۔ مذہب فساد برپا کرتا ہے اس لئے
 مذہب کو مٹا دینا چاہیے اور اسی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ علمائے مذہب کے اقتدار کو
 بھی فنا ہونا چاہیے کیونکہ اس جاعت کے ذریعہ ہمیشہ تخریب ہی ہوتی رہی
 اور یہ طبقہ دنیا کو ہمیشہ فساد کی طرف لیجاتا رہا۔ درحقیقت یہ دونوں چیزیں
 دست و گریبان کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یعنی اگر مذہب فساد کا ذریعہ ہے تو
 بے شک علمائے مذہب کا اقتدار بھی فنا کئے جانے کے قابل مگر میں نے گذشتہ
 بیانات میں اسکو واضح کیا ہے کہ مذہب فساد کا ذریعہ کس لئے قرار پایا۔ میں نے
 دکھلایا کہ چونکہ مذہب اصلاح کا بہترین ذریعہ ہے اسی لئے اس کو فساد کا ذریعہ
 قرار دیا گیا۔ اس کے لئے میں نے مثالیں دیں کہ جتنی بیش قیمت چیز ہوگی اسی کی
 نقل زیادہ اتاری جائیگی اور ملمع زیادہ پرفریب کیا جائیگا۔

مذہب کے ذریعہ فساد قرار دئے جانے کا اور بھی اسکی اصلاحی طاقت ہے جو
 اسکی اصل حقیقت میں منفر ہے۔ مذہب کا لباس مختلف تحریکوں کو اسی کو پہنا یا
 جاتا ہے کہ ہر انسان کے دماغ میں مذہب کا نام سنکر ہی یہ بات آجاتی ہے کہ ہمیں
 کوئی فتنہ پر داری شریک نہیں رہے۔ بس اسی لئے غلط تحریکوں کو مذہب کا لباس
 پہنا یا جاتا ہے کہ یہ انقلاب و نہایت کا کامیاب ذریعہ ہے۔

دنیا میں کیا فسادات موجود ہیں اور اس وقت جو فساد ہیں ان میں ہیکو کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔

لا ندہ بیت
موجودہ زمانہ میں جو سب سے بڑا فساد مفاد عامہ کے لئے نہایت خطرناک ہے وہ لا ندہ بیت کا سیلاب ہے۔ میں نے "تعمیرِ نیاں" کے موضوع میں کافی تفصیل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ مذہب کس طرح سے دنیا کی اصلاح کا ذمہ دار ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ یہ لا ندہ بیت ایک فسادِ عظیم کی حیثیت رکھتی ہے جو کسی ایک شعبہ زندگی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ عقلی، معاشرتی، تمدنی، اقتصادی، اخلاقی ہر قسم کے فساد کا سرچشمہ ہے یعنی دنیا میں ایک عظیم انقلاب ہو رہا ہے دماغوں میں، ذہنیوں میں، معاشرت میں، اخلاق و عادات میں ہر طرف تبدیلیاں ہو رہی ہیں صرف اس لئے کہ مذہب کی جگہ لا ندہ بیت نے لے لی ہے۔

یہ لا ندہ بیت اپنی بے صولیوں کے ساتھ اس وقت ترقی کر رہی ہے اس کے اسباب کیا ہیں اور کیا دلائل ہیں جو مذہب کے خلاف پیش کئے جاتے ہیں اور لا ندہ بیت و مذہب کا تصادم کن وجوہ پر مبنی ہے اور انکا حل کیا ہے؟ یہ خود ایک مستقل موضوع ہے جو جدا گانہ حیثیت سے محل بحث قرار پانے کا مستحق ہے لیکن اس وقت مجھے صرف اس شعبہ سے مطالب ہے جو میرے موضوعِ کلام میں داخل ہے۔ وہ یہ کہ دنیا میں ایک سبب لا ندہ بیت کے اختیار کرنے کا یہ قرار

مذہب فنا کرنے کے قابل نہیں ہے۔ مذہب ہی سے دنیا میں تمدن کی اصلاح ہوتی ہے۔ بے شک یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ حقیقی مذہب کے حقیقی تعلیمات جو واقعی اصلاح تمدن کے ذمہ دار ہیں۔ وہ کیا ہیں۔ اس میں تھوڑی سی قوت غور و فکر صرف کر نیکی ضرورت ہوگی۔

مگر میں اس کو ایک دماغی کاہلی سمجھتا ہوں کہ انسان ایک چھوٹا سا ہے پر پونجی کے اس خیال کے معلوم نہیں کون راستہ اس میں ٹھیک ہے اس چوراہے سے ہٹ جائے نتیجہ یہ ہوگا کہ منزل سے جتنا قریب ہوا تھا اب اتنا ہی پھر دور ہو جائیگا اسکو لازم ہے کہ وہ دریافت کرے اور پوچھے کہ ان میں سے کون راستہ منزل مقصد تک لے گیا ہوا ہے۔

اسی طرح مذاہب کا اختلاف دنیا میں اگرچہ دماغ کو پریشانی اور اضطراب میں ضرور مبتلا کرے گا کہ انسان کا خو کیا کرے اور کدھر جائے لیکن اس کے معنی نہیں ہیں کہ وہ اصل اس نقطہ مشترک ہی سے ہٹ جائے جہاں سے مختلف مذاہب کی شاخیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ کیا کہ کیا معلوم کون مذہب حق ہے اور کون باطل کون مذہب اصلاح کا ذمہ دار ہے اور کون نہیں لہنا ہم مذہب کے ہی بار آئے یہ بات دماغی کاہلی کی حیثیت رکھتی ہو۔

اگر انسان کی ترقی اس میں ہے کہ وہ دماغی قوتوں کو مقام عمل میں لا کر صرف کرے تو وہ حقیقت یہ اس کی دماغی ترقی نہیں سمجھی جا سکتی کہ وہ اختلاف مذاہب کے

اس لئے اصل مذہب کہ مشاد دنیا ایک طرف اگر ان فساد کی کارروائیوں کے سدباب کا باعث ہے تو دوسری طرف اس حقیقی مذہب کے اصلاحی مفاد کو بھی محو کرنا ہے جو درحقیقت اصلاح کا موثر ترین سبب ہے۔

جھوٹ کو جب تک سیج کا لباس پہنا یا جلنے وہ جھوٹ نہیں ہے تو کیا سیج مشادینے کے قابل ہے اس لئے کہ جھوٹ کو سیج کا لباس پہنا یا جاتا ہے؟ سو نادنیائے فنا کرنے والے کے قابل ہے اس لئے کہ مبتیل سونیکا طبع اپنے اوپر چڑھا کر سونا بن جاتا ہے؟ پانی دنیا سے محو کرنے کا حق ہے اس لئے کہ سراب آب کی شکل بن کر پیاسوں کو دھوکا دیتا ہے؟ حقیقت فنا کرنے کے قابل ہے اس لئے کہ مجاز حقیقت کا بھیس بدل کر سامنے آتا ہے؟ اس طرح تو دنیا میں ہر قیمتی چیز فنا کرنے کے قابل ہوگی اس لئے کہ اسکی غلط نقل دنیا کو دھوکا دیتی ہے۔

سیج بہر حال سیج ہے سونا بہر صورت قیمتی شے ہے۔ پانی ضرور حشر پر زندگی ہے اور ہر حقیقی شے جو دنیا کے لئے مفید ہو وہ بہر حال مفید ہے لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان آنکھیں کھول کر نقل اور اصل میں تمیز کرے۔ وہ سمجھے کہ کون حقیقت ہے اور کون مجاز۔ کون حق ہے اور کون باطل۔ کون سیج ہے اور کون جھوٹ۔ نہ کیے جھوٹ کے اندیشہ میں سیج کو فنا ہی کر دیا جائے۔

مذہب کا نام دنیا میں فساد کا ذریعہ قرار پایا۔ اسکے تسلیم کرنے میں مجھے کوئی غصہ نہیں ہے میں تو خود اس کا طویل شکوہ اس کے پہلے کر چکا لیکن اسکی وجہ سے

۴۲۰

اسلام کی حقیقی جدوجہد یہ ہوئی کہ آپ مذہب کے تعلیمات کی ترویج کریں اللہ اس کی
 کو شریک کریں کہ دنیا اُن کی سالک بن جائے۔
 لیکن یہ کہنا بالکل غلط ہو گا کہ مذہب دنیا میں فساد اور بربادی کا پیش رو ہے
 اس لئے ثابت کرنے کے قابل ہو۔

بہمی اختلافات کا فساد

جو کچھ میں نے اس کے پہلے کہا وہ اصل تعلیمات اسلام سے تعلق رکھتا ہے مگر میرے
 الفاظ کی روانی کم ہو جاتی ہے۔ میری زبان میں وہ طلاق ت باقی نہیں رہتی جب
 میں مسلمانوں کے طرز عمل پر نگاہ ڈالتا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ مذہب جو
 دنیا میں امن و امان کے تعلیمات کا علمبردار تھا۔ جو دنیا سے اختلافات کو مٹا
 دینے کے لئے آیا تھا اس مذہب کو ذریعہ فساد قرار دیا گیا۔ اور اسکے اٹنے والے
 ایک دوسرے کا گلا گھونٹنے کے اور پٹیا اور طرح طرح کی اینارسانی کے اور پر
 آمادہ ہیں۔

سب سے بڑی چیز جس کا بغیر اسلام نے سد باب جا ہا تھا وہ تھی کہ مسلمان
 ایک دوسرے کو کافر نہ کہیں صحیح بخاری میں تو یہاں تک ہے کہ من کفر مسلما
 فقد باء بہ احدھا۔
 اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص کسی سچے مسلمان کو کافر بنائے وہ خود کافر ہے۔

آجگاہ میں اپنی قوت امتیاز کو صرف لئے بغیر سبب انداختہ ہو جانے بلکہ اس کو تحقیق کرنا چاہیے کہ حقیقی مذہب کے تعلیمات کیا ہیں۔

دنیا میں اسلام اس بات کا علمبردار ہو کر آیا تھا کہ وہ امن و امان قائم کرے اور اس نے اپنا جوہر خصوصی قرار دیا۔ کسٹم اعداء خالف بیان قلوباً فاصبحتم بمنعتہ اخواناً۔

”تم لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ اُس نے تمہارے دلوں میں میل جول پیدا کیا جس کی برکت سے تم بھائی بھائی ہو گئے۔“

انما المؤمنون اخوة ”سب خدا کو ماننے والے آپس میں بھائی بھائی ہیں“ اُس نے ظاہر کر دیا کہ یہ دنیا میں عالم انسانیت کے ماعدہ جو پھوٹ ڈال دی گئی ہے یہ تمام تفریقیں محو ہو جانے کے قابل ہیں۔ قریشی اور غیر قریشی کا امتیاز نہ ہو۔ کالے اور گورے میں فرق نہ ہو بلکہ سب مساوات رکھیں گویا ایک عظیم برادری دنیا میں قائم کر دی جس میں ہمدردی خوشی میں مواسات ہو جس میں یثار ہو۔

اگر کوئی مذہب ایسا ہے جو اپنے تعلیمات کے اعتبار سے دنیا میں امن و امان کا حامی ہو، صلح و شنتی کی نفاذ پیدا کرنے کا علمبردار ہو تو یقیناً وہ مذہب اصطلاح عالم کے لئے باقی رکھے جانے کے قابل ہے۔ یہ اور بات ہے آپ کہنے کہ اُس کے ماننے والے درحقیقت اُس پر عامل نہیں ہیں، اسکے معنی یہ ہونگے کہ مسلمان ہمارے میں درحقیقت مسلمان نہیں ہیں۔

دو بھائی ذاتی امور میں ایک دوسرے کے ساتھ متحد رہتے نہیں ہوتے۔ افراد انسانی بہت سی باتوں میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں امور معاشرت میں۔ امور تمدن میں اور ہر شعبہ زندگی میں لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ یہ اختلاف عداوت کی شکل اختیار کرے اور ایک دوسرے کے خون کا پیا سا بن جائے۔

کیوں نہ ہم مشترک امور پر مجتمع ہوں۔ اُن نقطوں پر جو ہم میں اختلافی حقیقت نہیں رکھتے۔ ہمارا رسول ایک ہمارا خدا ایک، ہماری کتاب ایک، ہمارا قبلہ ایک، نماز بہر حال دونوں کے نزدیک واجب، روزہ دونوں کے نزدیک فرض اسلام کے اندر ان چیزوں میں اختلاف نہیں ہے۔ اہلبیت رسول تمام مسلمانوں کے نزدیک قابل عزت ہیں کون مسلمان ہے کہ اس کے مذہب میں اہلبیت رسول قابل عزت نہوں پھر کیوں نہ ہم انہی مشترک نقطوں پر اگر ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہو جائیں کیوں نہ ہم میں تہنی و داد داری پیدا ہو اور ہمارے دل میں تہنی و وسعت ہو کہ ہم اختلاف کو برداشت کر سکیں یعنی یہ سمجھنے کے باوجود کہ خیال میں اختلاف ہو ہم اُن اختلافات کا لحاظ نہ کریں، اتحاد عمل سے کام لیں۔ مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہو جس کا نتیجہ یہ ہو کہ ہم آپس میں دست و گریباں ہوتے ہیں۔ یہ طریقہ درحقیقت خود مسلمانوں کیلئے مضر ہے۔ قرآن مجید نے بتلادیا تھا کہ لا تنازعوا فتنوا و تذہبوا بحکم۔ آپس میں جھگڑے نہ کرنا، نہیں تو تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا گرج جائیگی۔ مگر ہم نے اس تعلیم کو بھلا دیا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اس وقت ہندوستان جنوب

رسالہ کتاب کی حیات میں ایسی جماعتیں موجود تھیں جن کے متعلق قرآن نے کہا کہ ان کے دلوں میں حقیقی اسلام کی روشنی نہیں ہو لیکن رسالہ کتاب نے یہ کبھی نہیں کیا کہ منافقوں کے دلوں سے پردہ ہٹائیں۔ باوجودیکہ آپ کو خدا کی طرف سے تبادیا گیا تھا، باوجودیکہ آپ کو تعلیم دیدی گئی تھی لیکن چونکہ ان لوگوں کے افسانے راز کے مسلمانوں کی ظاہری نیکی دیکر ان کی کو صدمہ پہنچتا۔ اس بنا پر آپ نے ان کو ان کی پردہ دہی نہیں کی بلکہ پردہ داری سے کام لیا۔

اگر آپ کسی شخص کے متعلق کہا جاتا تھا کہ یہ سچا مسلمان نہیں ہے اور حقیقی عقائد نہیں رکھتا۔ اسکا نام زردہ وغیرہ سب ظاہری ہے۔ اس میں روح نہیں ہے تو آپ فرماتے تھے کہ ایسے ظاہری نام زردہ بجالانے ہی والوں کے ساتھ مجھے حکم ہے کہ میں اسلامی برتاؤ کر دوں اور ان کے قتل سے مجھے ممانعت ہے۔

اسامہ بن زید نے لڑائی میں ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے تلوار کے سامنے آتے ہی لاکھ لاکھ اللہ کھدایا تھا۔ حضرت نے سخت غصہ فرمایا اسامہ نے کہا اس نے تلوار کے خون سے کلمہ جاری کیا تھا تو فرمایا کہ کیا تم نے اس کے دل کو شگافتہ کر کے دیکھ لیا تھا۔

پیغمبر اسلام کی تعلیم تھی جس کو ہم نے پس پشت ڈال دیا۔ ہمارا دسچہ مشعل ہے کہ اپنے مخالف فریق کو کفر کے فتوے سے سرفراز کریں حضرت اس بنا پر کہ وہ ہمارے ساتھ اتفاق مسک نہیں رکھتا حالانکہ اختلاف طبائع انسانی میں ناگزیر ہے

تاکہ کہنے والے نے سچائی اور نیک نیتی سے نہیں کہا لیکن ہکو تو مقلد کو دیکھنا چاہیے۔
 میں سچ کہتا ہوں کہ اگر ان الفاظ میں سچائی ہوئی تو میرا ضمیر خود میرے اوپر ملامت کر گیا۔
 ہم کو خود شرم آینا موقع ہے۔ ہمارے اخلاق اور ہمارے اوصاف اتنے طشت از باہم
 ہو گئے کہ اب وہ غیروں کی طرف سے ہمارے موغیر پر لائے جاتے ہیں اور ہم کوئی جواب نہیں دے سکتے
 یقیناً اگر ہم اپنے تئیں مسلمان کہتے ہیں۔ اگر ہم اپنے تئیں امت مرحومہ کا مصداق بتاتے
 ہیں اگر ہم اپنے تئیں نجات کا حق سمجھتے ہیں تو ہم کہنے افعال اعمال سے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ
 ہم امت مرحومہ کے جانیئے تھے ہیں اس لئے کہ ہم اس پیغمبر اسلام کی تعلیم پر عمل کر نیوئے ہیں جو
 رحمتہ للعالمین نازل آیا تھا۔

تعجب کی بات ہے کہ عیسائی جنکی ذوریت اور انجیل میں یہ موجود ہے کہ ہم صلح اور سلامتی
 کے لئے نہیں آئے ہیں بلکہ تفریق و الفتنائے میں ہم اس لئے آئے ہیں کہ اب کو بیٹے سے اور
 بھائی کو بھائی سے جدا کر دیں عیسائیوں کی انجیل متی میں یہ الفاظ موجود ہیں جس پر عربوں
 کی کتاب میں تعلیم موجود ہو وہ دنیا میں کھیتی اور اتفاق کا نمونہ پیش کر رہے ہوں لیکن
 مسلمان جن کی کتاب میں یہ ہے کہ ہم اتحاد پیدا کرنے آئے ہیں وہ دنیا میں فراق کا نمونہ
 پیش کریں۔ باہمی تقصوم۔ جنگ جہل۔ ایک دوسرے کے خون کے پیالے۔ ایک دوسرے کو
 فتنہ کرنے کے لئے پیالہ۔ اس وقت جبکہ آئین جدید کی تشکیل ہو رہی ہے جبکہ ہندوستان
 ایک نئے دور زندگی میں داخل ہو رہا ہے جبکہ ہر ایک اپنے اقتدار کے اضافہ کی طرف متوجہ ہے
 عین اس وقت ہر اپنے درمیان پرانے جھگڑوں کو زندہ کرنے میں مصروف ہیں۔

آئندہ ہر مسلمانوں کو جتنے عظیم مشکلات کا سامنا ہے، ان عظیم مشکلات میں ہمارا
 طرز عمل گریہ رہا۔ اگر ہم آپس میں لڑتے رہے، اگر یونہی ہم میں تصادم ہوتے رہے تو
 نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارا وجود صفحات ہندوستان سے اسی طرح محو ہو جائیگا جس طرح اسپین
 ہمارا وجود فنا کر دیا گیا جس طرح فلسطین سے مسلمانوں کے نکالنے کی کوشش کی جا رہی
 ہے ہمارے وجود کو فنا کر دیا جائے اسکی کوشش تمام دنیا میں جاری ہو۔

ہندوستان میں کہ جو مختلف طاقتوں کا آماجگاہ ہے اور مرکز ہر مختلف قوتوں
 کے باہمی تصادم کا اگر ہم نے اپنی قوت اجتماعی کو منظم نہ کیا۔ اپنے عناصر کو مجتمع نہ کیا
 تو ہرگز ہمارا وجود اس صفحہ پر باقی نہیں رہ سکتا اور ہرگز ہم اس سرزمین پر زندہ
 رہنے کے قابل نہیں ہیں۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ کونسل میں آریوں کے قانون عقد نکاح کے بارے میں جب
 یہ سوال پیش کیا جائے کہ ہندو مذہب کوئی ایک مذہب نہیں ہے تو ہندو ممبروں کو یہ کہنے کا
 موقع ملے کہ اسلام کیا ایک متحد مفہوم رکھتا ہے اگر اسلام کوئی ایک متحد مفہوم رکھتا ہے تو
 کس لئے مسلمان ایک دوسرے کو کافر کہتے اور ڈاکٹر امبیڈکار کو جو وقت اسلام کی دعوت دیکھا
 تو وہ یہ کہہ کر اسلام کے رستے سے ہٹ جائیں کہ اسلام میں بہت سی جماعتیں ہیں۔ یہ کیا کرکس
 جماعت کا ساتھ دوں یا دیگر گانڈھی کے بیٹے جو وقت اسلام قبول کر کے دوبارہ اپنے دیرینہ مذہب
 پلٹنا چاہیں تو یہ بیان دین کہ میں نے مسلمانوں میں کوئی خلائی بندی ایسی نہیں پائی جو دیگر
 مذہبوں میں نہ ہو۔

میں سچ کہتا ہوں کہ اس وقت جو بھی کہے کہ مذہب کے واسطے لازماً وہ مصلح نہیں ہی
مفسد ہی۔ مصلح وہ ہے کہ جو اس وقت ایک متحد راستے پر لائے اور یہ کہہ کر آپس کے
اختلافات مٹاؤ۔ اس کے یہ مطلب نہیں کہ کوئی ایک فرقہ اپنا مسلک ترک کر دے۔ جو نظری
اختلافات صدیوں سے نہیں مٹے وہ ایک وقت میں کیسے مٹ سکتے ہیں لہذا یہ مطالبہ نہیں
ہے کہ ہر ایک اپنی رائے کو بدل دے۔ ہر ایک اپنے مذہب کو چھوڑ دے بلکہ مطلب یہ ہے کہ قیامت
ان اختلافات کو زیادہ اچھا لیں نہیں بلکہ متحدہ مقاصد و غرض میں متحد حیثیت سے کوشش
کی طرف متوجہ ہوں۔ آپس میں جنگ نہ کریں۔ تضادم کی صورتیں نہ پیدا کریں۔
مجھے تو انیسویں صدی کے مسلمانوں کے لئے ننگ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے داخلی مسائل میں
غیر مسلم جماعتوں کی جانب سے حکم مقرر کئے جائیں۔ یہ درحقیقت اسلام کیلئے ننگ عار کا باب ہے۔
مسلمانوں کے لئے نہایت شرم کا مقام ہے کہ کہنے کو اسے صلاحی اتنے معطل ہو گئے ہیں۔
ان میں صلاح و رواداری کی طاقتیں اتنی فنا ہو گئی ہیں اور اسلامی یکجہتی کی روح اتنی
مضمحل ہو گئی ہے کہ آپس میں خود سی نقطہ پر نہیں پہنچ سکتے غیر مسلم جماعتوں کو
اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ ان کے درمیان جو فسادات پیدا ہوں انکا تذکرہ کریں
یعنی مسلمانوں کے مصلح غیر مسلم قرار پائیں۔

بیہمتانی قابل عبرت صورت ہے۔ اگر ان حالات میں تبدیلی نہ ہوئی بلکہ حیرت انگیز
ترقی پذیر ہے یا اسی صورت پر قائم ہے تو اسلام کا خدا حافظ اور مسلمانوں کو خود اپنی
ہستی کے اوپر پہلے ہی سے ناحق بڑھ لینے کی ضرورت ہے۔
(تمہدیت)